جولائی 2010

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور
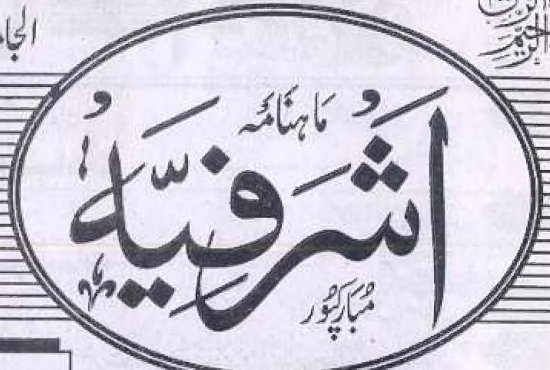
زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۷

جولائی ۲۰۱۰ء

رجب، شعبان ۱۴۳۱ھ

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نقوشِ قلم

مہمان اداریہ

مولانا محمد ادریس بستوی

ہندوستان میں مدارس عربیہ کی اپنی شناخت اور زبردست اہمیت ہے۔ ان مدارس میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کی تعداد سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق چار فیصد ہے۔ باقی ۹۶ فیصد مسلم بچے اور بچیاں دوسرے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں حصولِ علم کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ عربی مدارس میں نونہالانِ اسلام کی کل تعداد ۴؍ ہی فیصد ہے، یہ بات محل نظر ہے۔ البتہ وہ عربی مدارس جہاں درجاتِ عالیہ تک تعلیم کا انتظام ہے ان کے طلبہ کی تعداد ۴؍ فیصد تک ہوسکتی ہے لیکن اگر مکاتب اسلامیہ اور ابتدائی تعلیم دینے والے عربی مدارس کے طلبہ کی تعداد کو شمار کیا جائے تو یہ تعداد ۱۰؍ فیصد سے بھی زائد ہوگی۔ صرف صوبہ اتر پردیش میں اس طرح کے دینی مدارس جن کو محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود نے منظوری دے رکھی ہے ان کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے اور ابھی ہزاروں مدارس منظوری کے انتظار میں ہیں۔ اور بہت بڑی تعداد ان مدارس کی بھی ہے جنھوں نے نہ تو محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود سے منظوری لی ہے اور نہ ہی وہ کسی سرکاری اندراج میں آنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی حال میں حکومت سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ان کے خیال میں اگر مدارس کو سرکار سے مربوط کیا گیا تو ان کا نہ صرف تشخص ختم ہو جائے گا بلکہ ان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ ان کی اس منفی فکر کی وجہ سے مدارس کے تعلق سے دوسرے لوگ خاص طور سے اربابِ اقتدار غلط فہمیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں جسے دور کرنے کے لیے ہمارے رہ نماؤں کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی ہے...... ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی ادارہ (مدرسہ) حکومت سے منظوری حاصل کرلیتا ہے تو اس کے طلبہ کی سندوں کا اعتبار ہو جاتا ہے اور ایک منزل پر پہنچ کر اس کے مدرسین و ملازمین کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ بھی ملنے لگتی ہے اور اس کے تمام مدرسین و ملازمین نیم سرکاری ملازم ہو کر تمام سرکاری تحفظات کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں کوئی بڑے سے بڑا متعصب ان مدارس کو نہ تو دہشت گردی کا اڈہ قرار دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کے کسی ملازم یا رکن کو دہشت گرد کہہ سکتا ہے۔ کیوں کہ اب اگر انھیں دہشت گرد کہا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ حکومت دہشت گردی کے اڈوں کو فروغ دے رہی ہے اور دہشت گردوں کا مالی تعاون کر رہی ہے۔ اس طرح حکومت خود الزام کے گھیرے میں آجائے گی اور ظاہر ہے کہ حکومت اتنی احمق نہیں ہوسکتی کہ خود ہی الزام کے کٹہرے میں کھڑی ہو جائے۔ دہشت گردی کے غلط اور بھیانک الزام سے بچنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے کہ تمام مدارس کا کُل حال حکومت کے علم میں لایا جائے جو سرکاری الحاق کی شکل میں ہی ممکن ہے۔

مدارسِ عربیہ ۱۹۳۵ء سے صوبائی حکومت سے منسلک ہونا شروع ہوئے، ابتدا میں اس کے لیے ایک انسپکٹر پورے صوبہ کے لیے مقرر ہوتا تھا جو رجسٹرار کا کام بھی کرتا تھا، اس کے ساتھ چند کلرک ہوتے تھے، اس کا ہیڈ آفس الہ آباد میں تھا، حکومت تھوڑی سی رقم بطور امداد دیتی تھی، سارا کام نہایت ایمان داری سے ہو رہا تھا، اس کے نصاب کو درسِ عالیہ کہا جاتا تھا۔ بد دیانتی اور رشوت خوری کا کوئی وجود نہیں تھا۔ امتحان میں شریک ہونے والے طلبہ کی تعداد بھی بہت مختصر تھی، اسی لیے اس کے امتحان کے لیے صرف ایک سینٹر الہ آباد میں ہوتا تھا اور پورے صوبہ کے طلبہ وہیں پہنچ کر امتحان دیتے تھے، نہایت صاف و شفاف ماحول میں امتحان کی ساری کارروائی پوری کی جاتی تھی۔

اس دور میں ملحق مدارس کی تعداد بھی بہت کم تھی، پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا گیا اور حکومت اتر پردیش نے ان مدارس کو ایڈ لسٹ پر لینا شروع کر دیا، پھر کیا تھا مدرسوں کی ایک بھیڑ امنڈ پڑی اور ایک سینٹر کی جگہ اب سیکڑوں سینٹر بنا دیے گئے اور تقریباً ہر ضلع میں امتحان ہونے لگے۔ سارا نظام محکمۂ تعلیم کی نگرانی میں بحسن و خوبی چلتا رہا، پھر اچانک ایک نیا محکمہ بنام محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود قائم کر کے مدارسِ عربیہ کو اس کے حوالے کر دیا گیا اور وہیں سے کرپشن اور لوٹ پاٹ کا دور شروع ہو گیا اور اس کا ہیڈ آفس بھی الہ آباد سے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا۔

جس وقت مدارس عربیہ کو محکمۂ تعلیم سے نکال کر محکمۂ اقلیتی فلاح وبہبود میں ڈالا گیا، ہمارے مقتدر علما اور دانش وروں نے اس کی سخت مخالفت کی مگر کچھ مفاد پرست جو دراصل مدارس عربیہ کے تاجر اور بد خواہ ہیں، انھوں نے افسروں سے سودا کر کے مدارس عربیہ کو محکمۂ تعلیم سے نکلوا کر اقلیتی فلاح وبہبود نامی محکمہ میں ڈلوا دیا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مدارس عربیہ جو تعلیم اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے ہیں انھیں محکمۂ تعلیم سے نکال دیا گیا۔ ہمارے ملک میں اکثر قوم پرست لیڈروں کی طرف سے یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان قومی دھارے سے اپنے کو الگ تھلگ رکھتے ہیں، ان کے اندر علاحدگی پسندی کا جذبہ پایا جاتا ہے، مسلمانوں کو موردِ الزام بنایا جاتا ہے کہ یہ قومی دھارے سے الگ رہ کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اب وہی لوگ بتائیں کہ جب مسلمان اپنے مدارس کو قومی دھارے میں شامل کیے ہوئے تھا اور محکمۂ تعلیم کی نگرانی میں اپنے مدارس چلا رہا تھا، اس کے لیے وہی قانون تھا جو عام اسکولوں کے لیے تھا، اس کا ضلعی افسر بی. اے. سے ہوتا تھا جو تمام پرائمری اور جونیئر ہائی اسکول کو دیکھتا تھا، ایک ہی تعلیمی گنگا میں سب نہا رہے تھے، پھر کیا اندرونی سبب تھا کہ ہمارے مدارس کو محکمۂ تعلیم سے الگ کر کے ہمیں قومی دھارے سے کاٹ دیا گیا اور شفاف گنگا کی جگہ ہمیں ایک جوہڑ آپ کے حوالے کر دیا گیا۔

مدارسِ عربیہ ہی کے طرز پر اتر پردیش میں سنسکرت پاٹھ شالائیں چلائی جاتی ہیں جن کی تعداد حکومت کے رجسٹر میں مدارس عربیہ سے زیادہ ہے۔ ان سنسکرت پاٹھ شالاؤں کو محکمۂ تعلیم سے الگ نہیں کیا گیا، وہ آج بھی محکمۂ تعلیم میں ہیں۔ پھر آخر ہمارے اوپر یہ کرم فرمائی کیوں کی گئی۔ اگر سنسکرت پاٹھ شالاؤں کو بھی محکمۂ تعلیم سے نکال دیا گیا ہوتا تو شاید ہمیں اتنا دکھ نہ ہوتا۔ لیکن حکومت کا یہ دوہرا معیار ہمارے لیے انتہائی تکلیف دہ اور اقلیتوں کو تباہ و برباد کرنے والا ہے۔ اربابِ حکومت سے بار بار اس سلسلے میں استفسار کیا گیا لیکن صلائے برنہ خاست، کوئی جواب آج تک نہیں ملا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بہت سیدھی سی بات ہے کہ جب مدارسِ عربیہ تعلیم دینے کا کام کرتے ہیں تو انھیں محکمۂ تعلیم میں ہی رہنا چاہیے، مدارس عربیہ کو محکمۂ تعلیم سے خارج کر کے عربی مدارس کو زبردست نقصان پہنچایا گیا ہے جس کی مختصر روداد یہ ہے:

اب مدارسِ عربیہ کے لیے جو رقم مختص کی جاتی ہے وہ بنام اقلیت درج ہوتی ہے، جب کہ سنسکرت پاٹھ شالاؤں کے لیے حکومت جو رقم الاٹ کرتی ہے وہ بنام تعلیم درج کی جاتی ہے، اس طرح اقلیتوں پر یہ بے جا احسان دھرا جاتا ہے کہ ہم تمھیں سالانہ اتنی رقم دیتے ہیں۔ اگر یہ رقم بنام تعلیم آتی تو ہمارے اوپر الگ سے احسان کرنے کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

ان مدارس کی نگرانی کے لیے ہر ضلع میں ایک اقلیتی فلاح و بہبود افسر حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس کی فہرست پر نگاہ ڈالیے تو ۹۰ر فیصد افسر وہ ہیں جو اقلیت سے تعلق نہیں رکھتے اور یہی پورے طور پر فیض یاب ہو رہے ہیں۔ یعنی محکمہ اقلیتوں کے لیے ہے مگر اس چشمۂ شیریں سے وہ لوگ سیراب ہو رہے ہیں جو اقلیت سے نہیں بلکہ اکثریت سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی نام ہمارا اور کام دوسروں کا ہو رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان تمام ضلعی اقلیتی فلاح و بہبود افسران میں سے کوئی اردو جاننے والا نہیں ہے، جب کہ مدارسِ عربیہ میں تمام دفتری کام اردو زبان میں ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے اس محکمہ کے وزیر، اقلیت کے ایک اہم فرد عالی جناب محمد انیس خاں صاحب عرف پھول بابو ہیں جن کی شگفتہ مزاجی سے کوئی ملاقات کرنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن نہ جانے کن اسباب کی بنا پر انھیں یہ احساس نہیں ہو رہا ہے کہ اقلیتوں کے اس محکمہ کے ضلعی افسران میں بڑی تعداد اقلیت کے افراد کی ہونی چاہیے جو عربی فارسی اگر نہیں تو کم از کم اردو جاننے والے ہوں، کیوں کہ ان کا تعلق علمائے کرام سے ہوتا ہے اور انھیں مدارسِ عربیہ کو دیکھنا پڑتا ہے جہاں کی دفتری زبان اردو ہے۔

صوبہ بھر کے افسران کے اس جمبو جیٹ بیڑے کی تنخواہ، بھتہ، اور دیگر مطالبات بنام اقلیتی فلاح و بہبود ادا کیے جاتے ہیں، یعنی سرکاری رجسٹر میں رقم ہمارے نام سے درج ہوتی ہے اور جاتی ہے دوسرے لوگوں کی جیب میں، اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے؟

تمام مدارسِ عربیہ اقلیتی ادارے ہیں اور انھیں بنام اقلیت حکومت کی طرف سے کچھ مراعات ان کی پس ماندگی کی وجہ سے دی جاتی ہیں، یہ ہلکی سی نہایت معمولی رعایت بھی کچھ لوگوں کو کھٹکنے لگی ہے۔ اسی لیے کچھ ہوشیار غیر مسلم حضرات بھی اپنی سوسائٹی بنا کر رجسٹرڈ کروا کر اپنے کسی افتادہ مکان پر مدرسہ کا ایک بورڈ آویزاں کر کے محکمہ سے خطیر رقم مل جل کر حاصل کر رہے ہیں۔

اس فریب اور جعل سازی کی رپورٹ آئے دن اخباروں میں آرہی ہے، مگر اب تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی، جب قانونی طور پر یہ سارے مدرسے صرف اور صرف اقلیتوں کے لیے ہیں تو پھر غیر مسلموں کی سوسائٹی عربی مدرسہ چلانے کے لیے کس بنیاد پر رجسٹرڈ ہو جاتی ہے۔ پھر ان نام نہاد فرضی سوسائٹیوں کی نگرانی میں چلنے والے مدارس کو عربی فارسی بورڈ منظوری کس بنیاد پر دیتا ہے؟ اور انھیں ۳-۴ر سائنس ٹیچرس قانون کی رو سے مل جاتے ہیں۔ اعلیٰ پیمانہ پر ہونے والی اس دھاندلی سے نہ صرف یہ کہ افسران چشم پوشی کر رہے ہیں، بلکہ درپردہ اس کالے دھندے کی سرپرستی بھی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ دھندہ روز بروز پھلتا پھولتا چلا جا رہا ہے۔

حکومتِ ہند اپنی ایک اسکیم کے تحت مدارس عربیہ میں منی آئی ٹی آئی کا پروگرام چلا رہی ہے، حکومتِ ہند کے اس شعبہ کی نگرانی صوبہ میں محکمہ اقلیتی فلاح و بہبود کے ذمہ ہے، اس پروگرام کا مقصد اقلیتی بچوں کو جو اپنی معاشی تنگی کی وجہ سے کسی سائنس کالج میں داخلہ نہیں لے سکتے، انھیں سائنس کی تعلیم دلانا ہے، مگر افسوس، صد افسوس کہ اس اسکیم کا بھی بری طرح استحصال کیا جا رہا ہے۔ کسی سوسائٹی کا رجسٹریشن بنام مدرسہ کرا کر منی آئی. ٹی. آئی. کی پوری رقم ادا کر دی جا رہی ہے، جب کہ اس طرح کی سوسائٹیوں کا نہ تو اقلیت کے افراد سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان مدارس سے منشی، مولوی، عالم، فاضل اور کامل کا امتحان کوئی دیتا ہے۔ ان فرضی مدرسوں میں طلبہ کی جو فہرست دی جاتی ہے وہ بھی اقلیت کے نہیں ہوتے ہیں۔

جب یہ اسکیم اقلیتوں کے لیے ہے تو اتنے بڑے پیمانے پر وہ لوگ کیسے فائدہ اٹھا رہے ہیں جن کا تعلق اقلیت سے نہیں ہے، ظاہر ہے یہ سب انھیں افسران کی وجہ سے ہو رہا ہے جو محکمہ اقلیتی فلاح و بہبود کے ذمہ دار ہیں۔ اگر یہ افسران دیانت داری سے کام لیں تو ایک بھی غلط مدرسہ کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھا پائے گا۔

ان حالات میں حکومت کو فی الفور حسب ذیل مطالبات منظور کرنا چاہیے:

1. ایسی تمام سوسائٹیوں کا رجسٹریشن جو بنام عربی مدرسہ غیر مسلم حضرات نے کرا لیا ہے اسے فوراً منسوخ کیا جائے۔
2. جن غیر مسلم حضرات نے غیر مسلموں کی سوسائٹی بنا کر بنام مدرسہ عربی فارسی بورڈ سے منظوری لے لی ہے اسے فوراً کالعدم قرار دیا جائے۔
3. جہاں غیر اقلیت کے افراد نے منی آئی. ٹی. آئی. کی اسکیم منظور کرا لی ہے انھیں بتا دیا جائے کہ یہ صرف اقلیتوں کے لیے ہے، اس کے بعد فوراً اسے ختم کر دیا جائے۔
4. اس محکمہ کی تمام حصولیابیوں کو اقلیتوں کے لیے محدود کیا جائے۔

حکومت اتر پردیش نے السنہ قدیم کی حفاظت، ترویج و اشاعت کے لیے عربی مدرسہ بورڈ بنایا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس بورڈ کا مقصد عربی و فارسی زبان کی بقا اور تحفظ ہے اور اسی مقصد کے حصول میں بورڈ اب تک رواں دواں ہے، لیکن اب اس وقت بورڈ نے ایک حیرت ناک یہ فیصلہ کیا ہے کہ منشی و مولوی کے امتحان میں ہندی زبان بھی لازمی ہوگی۔ ہم ہندی کے مخالف نہیں لیکن جب بورڈ کی تشکیل کا مقصد السنہ قدیم کا تحفظ ہے تو اس کے نصاب میں ایک جدید زبان ہندی کا لازمی کرنا بورڈ کے مقصد کے سراسر خلاف ہے، البتہ منشی مولوی کے نصاب میں اگر ہندی کو اختیاری مضمون کے طور پر رکھا جائے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں ہوگی۔ لہٰذا حکومت اتر پردیش سے ہماری یہ گزارش ہے کہ اس نامناسب حکم کو فوراً واپس لے کر پہلے ہی نظام پر بورڈ کو چلایا جائے۔

عربی مدارس کے مدرسین و ملازمین ۶۲ر سال کی عمر میں ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے جب مدارس محکمۂ تعلیم میں تھے اس وقت کی وزارتِ تعلیم نے ان کے لیے پنشن کا جی. او. کیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت تنخواہیں بہت کم تھیں، اس حساب سے ریٹائر ہونے والے مدرسین و ملازمین کی پنشن بھی بنی تھی۔ اب ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی وہی پنشن دی جا رہی ہے جو ۱۵ر سال پہلے طے ہوئی تھی جب کہ تنخواہیں کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔ آج بیس پچیس ہزار تنخواہ پانے والے مدرس جب ریٹائر ہوتے ہیں تو انھیں ڈھائی ہزار کے لگ بھگ پنشن ملتی ہے، یہ سراسر ظلم ہے، اس لیے محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود کے سکریٹری کو فوراً اس سلسلے میں نیا جی. او. جاری کر کے دیگر محکموں کے ملازمین کی طرح انھیں بھی پنشن ملنی چاہیے۔ امید ہے کہ جلد ہی سکریٹری صاحب نیا جی. او. جاری کر دیں گے، ورنہ اگر ریٹائر ہونے والے لقمۂ اجل بن گئے اس کے بعد آپ نے جی. او. جاری کیا تو اس سے انھیں کیا فائدہ پہنچے گا اور ہمیں مجبور ہو کر کہنا پڑے گا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مسائل و مباحث/فکر و تحقیق

غُثاءً اَحْوٰی کی تشریح اور کنز الایمان کا تفوق

مولانا غلام زرقانی

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں ذمہ دار علماے اہل سنت نے اپنے اسلاف کی اطاعت کرتے ہوئے قرآن کریم پر خصوصی توجہ دی اور اس کے واقعی مفہوم کو حالات کے مطابق علاقائی زبانوں میں منتقل کرنے کا مقدس فریضہ کمال ہنر مندی سے انجام دیا تاکہ وہ لوگ جو عربی زبان سے ناواقف ہیں وہ بھی کسی حد تک قرآن سے استفادہ کر سکیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دوسری طرف اس فہرست میں چند ایسے نام بھی لیے جاسکتے ہیں جنہوں نے ترجمۂ قرآن کریم کے لیے ضروری علوم ومعارف، وسعت مطالعہ اور فہم وفراست کے فقدان کے باوجود صرف ''مترجمین قرآن'' کی عزت مآب صف میں شامل ہونے کے لیے ترجمۂ قرآن اور اس کی تشریح وتفسیر کرنے کی مذموم جسارت کی اور کئی مقامات پر لغزشوں سے خود کو نہ بچا سکے۔ ان میں تو بعض نام نہاد مترجمین ایسے بھی ملیں گے جن کے سابقہ افکار کی روشنی میں اگر ان کے تراجم پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے لاعلمی یہ ٹھوکر نہیں کھائی بلکہ دانستگی میں اپنے ''اچھوتے'' افکار وخیالات کی اشاعت کے لیے قرآن پاک کا مقدس اور پاکیزہ پلیٹ فارم استعمال کیا ہے۔

آنے والے صفحات میں ہم مندرجہ بالا قرآنی کلمات کے ترجمہ کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ یہ بحث دو زاویوں سے ہوگی۔ پہلے زاویۂ نگاہ سے ہم ان تراجم کا جائزہ لیں گے جو مستند عربی لغات اور امہات تفاسیر کے قطعی خلاف ہیں اور دوسرے زاویۂ نگاہ سے ہم ان تراجم پر گفتگو کریں گے جو لغوی اعتبار سے بھلے ہی صحیح ہوں مگر ایک جانب سیاق وسباق سے مطابقت نہیں رکھتے تو دوسری طرف زبان وبیان میں چاشنی اور جاذبیت سے عاری ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔

نام نہاد مترجمین قرآن: مولانا امین احسن اصلاحی غُثَاءً اَحْوٰی کا ترجمہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اور جس نے نباتات اگائیں، پھر ان کو گھنی سرسبز وشاداب بنادیا'' (۱)

پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''غثاء احوی کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے کالا کوڑا یا سیاہ خس وخاشاک کیا ہے، لیکن عربی میں غثاء تو بے شک جھاگ اور خس وخاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن احوی ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شے میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: '' لفظ غثاء اگرچہ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس وخاشاک کے لیے بھی آتا ہے لیکن اس سبزہ کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ ''(۲)

دور جدید کے ایک دوسرے مترجم جناب جاوید احمد غامدی نے بھی اسی طرح کا ترجمہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اور جس نے سبزہ نکالا، پھر اسے گھنا سرسبز وشاداب بنادیا۔'' (۳)

لغات کے حوالے سے: لسان العرب میں ہے:

"قال الفراء فی قولہ تعالیٰ ﴿والذی اخرج المرعیٰ ، فجعلہ غثاء احوی ﴾ قال: اذا صار النبت یبسا فھو غثاء ، والاحوی : الذی قد اسود من القدم والعتق، وقد یکون معناہ ایضا اخرج المرعی احوی ای اخضر فجعلہ غثاء بعد خضرتہ فیکون مؤخرا معناہ التقدیم والاحوی: الاسود من الخضرۃ کما قال: ﴿مدھآمتان﴾ "(۴)

''یعنی جب نباتات سوکھ کر خشک ہو جائیں تو اسے غثاء کہتے ہیں اور احوی اس چیز کو کہتے ہیں جو بوسیدگی اور قدامت کی وجہ سے سیاہ ہو جائے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گیے ہیں کہ اخرج المرعی احوی یعنی اسے سبز اگایا اور پھر خشک کر دیا اور اس طرح دونوں جملوں میں تاخیر وتقدیم ہوگئی ہے۔ اور احوی کے معنی زیادہ سرسبز وشاداب ہونے کی وجہ سے سیاہ ہونے کے بھی ہیں جیسے قرآن میں مدھآمتان یعنی دو سرسبز سیاہی مائل باغ آیا ہے۔ ''

"قال الزجاج فی قولہ تعالیٰ ﴿والذی اخرج المرعی ،فجعلہ غثاء احوی ﴾ قال: غثاء جفّۃ حتی صیّرہ ھشیما جافا کالغثاء الذی تراہ فوق السیل، وقیل معناہ اخرج المرعی الاحوی ای اخضر فجعلہ غثاء بعد ذلك ای یابسا "(۵)

یعنی زجاج نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد...... کے بارے میں کہا کہ غثاء بنادینے سے مراد یہ ہے کہ اس سبزے اور نباتات کو خشک اور چورا بنادیا جیسے سیلاب کے اوپر خس وخاشاک نظر آتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخرج المرعی الاحوی یعنی سبز وشاداب کو اگایا پھر اسے غثاء یعنی خشک کر دیا۔ ''

ابن قتیبہ نے تفسیر غریب القرآن میں لکھا ہے کہ:" فجعلہ غثاء ای یبسا "یعنی اسے خشک بنادیا" احوی" ای اسود من قدمہ واحتراقہ یعنی جو بوسیدگی یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہو۔''(۶)

زمخشری کہتے ہیں: " وھو الحمیل السیل مما بلی واسود من العیدان والورق " (۷)

''یعنی غثاء سے مراد سیلاب کے خشک اور سیاہ خس وخاشاک ہیں جو اصل میں بوسیدہ لکڑیوں کے ٹکڑے اور درختوں اور پودوں کے سوکھے ہوئے پتے ہوا کرتے ہیں۔''

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: قولہ عزوجل :فجعلہ غثاء احوی ای شدیدالسواد ، وقیل تقدیرہ : والذی اخرج المرعی احوی فجعلہ غثاء ، والحوۃ: شدۃ الخضرۃ "(۸)

''یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد..... سے مراد گہری سیاہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترتیب کلام یوں ہے کہ وہ جس نے سبز چارہ نکالا پھر اسے سیاہ کر دیا۔ ویسے **حوۃ** گہرے سبز رنگ کو بھی کہتے ہیں۔ ''

" الغثاء: غثاء السیل والقدر ، ویضرب بہ المثل فیما یضیع ویذھب غیر معتد بہ "(۹)

امہات تفاسیر کے حوالے سے : تفسیر طبری میں علامہ ابن جریر طبری نے فجعلہ غثاء احوی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ "فجعلہ غثاء فجعل المرعی غثاء ، وھو ما جف من النبت ویبس، فطارت بہ الریح الاحوی متغیرا الی الحوۃ ، وھو السواد بعد البیاض ، او الخضرۃ "(۱۰)

ترجمہ: پھر چارے کو غثاء بنادیا اور غثاء کہتے ہیں اس نباتات کو جو خشک ہو جائے جسے ہوا اڑائے پھرتی ہو۔ الاحوی بنادیا یعنی حوۃ میں تبدیل کر دیا اور حوۃ کہتے ہیں اس سیاہی کو جو سفیدی یا سبزہ کے بعد ہو جائے۔

علامہ قرطبی رقم طراز ہیں: الغثاء : الشی الیابس یعنی غثاء سے مراد خشک چیز ہے۔

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " الغثاء ما یقذف بہ السیل علی جوانب الوادی من الحشیش والنبات والقماش ویقال للبقل والحشیش اذا تحطم ویبس : غثاء وھشیم "(۱۱)

ترجمہ: غثاء سے مراد وہ گھاس پھوس اور کوڑا کرکٹ ہے جسے سیلاب وادیوں کے کناروں پر پھینک دیتا ہے اور جب سبزہ اور گھاس ریزہ ریزہ اور خشک ہو جائے تو اسے غثاء یا ھشیم کہتے ہیں۔

امام قرطبی نے اپنی رائے کی تقویت کے لیے ماہرین لغت ابوعبیدہ اور عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

" وقال ابو عبیدہ: فجعلہ اسود من احتراقہ وقدمہ ، والرطب اذا یبس اسود، وقال عبدالرحمن بن زید: اخرج المرعی اخضر ،ثم لما یبس اسود من احتراقہ فصار غثاء تذھب بہ الریاح والسیول "(۱۲)

''ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اسے بوسیدہ ہونے یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ کوڑا کر دیا کہ سبزہ جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سبز نباتات اگائی پھر جب وہ خشک ہوئی اور سیاہ راکھ بن گئی تو وہ غثاء ہے جسے ہوائیں اڑاتی ہیں اور سیلاب بہالے جاتے ہیں۔ ''

شیخ ابن حیان اندلسی نے البحر المحیط میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:" قال ابن عباس المعنی فجعلہ غثاء احوی: ای اسود لان الغثاء اذا قدم واصابتہ الامطار اسود وتعفن فصار احوی "(۱۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غثاء

احوی یعنی سیاہ ہوگئی کیونکہ خشک نباتات جب بوسیدہ ہوجاتی ہے تو بارش وغیرہ کے اثر سے گل سڑ کر سیاہ ہوجاتی ہے۔

شیخ بیضاوی ارشاد فرماتے ہیں: "فجعله بعد خضرته غثاء احوی یعنی یابسا اسود "(۱۴) ترجمہ: تو اسے سبزے کے بعد خشک سیاہ کردیا۔

لغات اور امہات تفسیر کے حوالے ممکنہ مفہوم

گذشتہ صفحات کے ذیل میں لغت اور امہات تفاسیر کے حوالے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ

لفظ غثاء کے لغوی معنی ہیں: خس وخاشاک، سوکھی ہوئی گھاس، خشک نباتات، خشک چورا اور کوڑا کرکٹ وغیرہ۔

لفظ احوی کے معنی ہیں: ایسی نباتات جو بوسیدہ اور پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوچکی ہو، ایسی نباتات جو تازگی وشادابی اور زرخیزی کی وجہ سے سیاہ مائل سبز ہوگئی ہو۔

پھر جن لوگوں نے لفظ احوی کو غثاء کی صفت مانا ہے انہوں نے اس کے پہلے معنی مراد لیے ہیں یعنی کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے سیاہ ہونے کا مفہوم اور ان کے نزدیک دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ جس نے نباتات اگائی اور پھر اسے سیاہ خس وخاشاک بنادیا'' اور جن لوگوں نے احوی کو المرعیٰ کی صفتِ موخر قرار دیا ہے انہوں نے احوی کو مذکورہ دوسرے معنوں میں لیا ہے اور ان کی رائے میں دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے:

''وہ جس نے سیاہی مائل سبز نباتات اگائی اور پھر اسے خس وخاشاک بنادیا۔''

اس طرح علمائے لغت اور مفسرین کی تشریح کردہ عبارات کی روشنی میں مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ اختصار کے ساتھ یہ ہوگا:

'' اللہ تعالیٰ نے سرسبز وشادات نباتات اگائے اور پھر اسے خس وخاشاک اور خشک وسیاہ چورے میں تبدیل فرمادیا۔ ''

سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث دونوں آیات کا یہی مفہوم قرآن کریم کے دیگر نصوص اور نظائر کے عین مطابق بھی ہے۔

قرآن کے نصوص: اللہ تعالیٰ سورہ حدید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباته ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما ﴾(۱۵)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا، اس مینہ کی طرح جس کا اگایا سبزہ کسانوں کو بھایا پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر روندن ہوگیا۔

سورہ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلنه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح ھشیما تذروہ الریاح وکان اللہ علی کل شیء مقتدرا ﴾ (۱۶)

ترجمہ: اور ان کے سامنے دنیوی زندگی کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہوکر نکلا پھر سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں، اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے۔

حدیث سے مثال: احوال جہنم کا تذکرہ کرتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:" یعذب الناس من اھل التوحید فی النار حتی یکونوا فیھا حمما ثم تدرکھم الرحمۃ فیخرجون ویطرحون علی ابواب الجنۃ، قال: فیرش علیھم اھل الجنۃ الماء، فینبتون کما ینبت الغثاء فی حمالۃ السیل ثم یدخلون الجنۃ "(۱۷)

'' اہل توحید میں کچھ لوگ جہنم میں عذاب دیے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ سیاہ ہوجائیں گے تو نکال دیے جائیں گے اور جنت کے دروازوں پر ڈال دیے جائیں گے۔ اس کے بعد اہل جنت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کریں گے تو وہ نمودار ہوجائیں گے جس طرح خس وخاشاک جھاگ کے اوپری سطح پر نمودار ہوتی ہے، پھر وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ ''

مندرجہ بالا تشریحات اور مستند علمائے تفاسیر کی وضاحت کے بعد یہ امر آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوگیا کہ مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی تفسیر ان کی اپنی ذہنی اختراع ہے جو عربی لغات، معتبر کتب تفاسیر اور مزاج قرآن وحدیث کے بھی مطابق نہیں۔ قبل اس کے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کی خوبصورتی ملاحظہ فرمائیں مناسب ہوگا کہ قرآن کریم کے دیگر اردو تراجم اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمالیں۔

قرآن کریم کے دیگر اردو تراجم :

شاہ رفیع الدین دہلوی کہتے ہیں: اور جس نے نکالا چارہ پس کردیا اس کو کوڑا سیاہ۔

شاہ عبد القادری دہلوی کہتے ہیں: اور جس نے نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔

مولانا فتح محمد خان جالندھری کہتے ہیں: اور جس نے چارہ اگایا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کردیا۔

نواب وحید الزماں لکھتے ہیں: اور جس نے جانوروں کے لیے چارہ نکالا پھر اس کو سکھا کر کوڑا بنادیا کالا کردیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں: اور جس نے زمین سے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کردیا۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادی کہتے ہیں: اور جس نے چارہ زمین سے نکالا پھر اسے سیاہ کوڑا کردیا۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں: جس نے نباتات اگائیں پھر ان کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنادیا۔

مندرجہ بالا اردو تراجم پر نگاہ ڈالیں۔ ان کے مترجمین نے احوی کا ترجمہ کوڑا کرکٹ کیا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کوڑا کرکٹ ہماری تہذیب میں کسی اچھی چیز کو نہیں کہتے بلکہ روزمرہ کی زبان میں نہایت ہی گھٹیا چیز کو کوڑا کرکٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب ذرا سیاق وسباق پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ اس نے زمین سے سبز چارہ نکالا اور اسے سکھا کر سیاہ کردیا جو حیوانات کی عمدہ غذا کہلائی۔ اس پس منظر میں ''کوڑا کرکٹ'' کا لفظ ایسا ہی ہے جیسے ریشم وکمخواب پر ٹاٹ کا پیوند۔

اب آیئے کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی پاکیزہ زبان کے پرتو جمال کا رخ تاباں ملاحظہ فرمایئے کہ سیاق وسباق کی رعایت بھی ہے اور شان الوہیت کا پاس بھی...... فکر کی گہرائی بھی اور خیال کی بلندی بھی...... اور اسلوب بیان کی چاشنی بھی اور زبان کی برجستگی بھی...... امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'' اور جس نے چارہ نکالا اور اسے خشک سیاہ کردیا۔'' (۱۸)

مصادر و مراجع

(۱) تدبر قرآن، ج:۹، ص:۳۱۱۔ (۲) نفس مصدر، ص:۳۱۵۔
(۳) البیان، ص:۱۶۵۔ (۴) لسان العرب، ج:۱۴، ص:۲۰۷۔
(۵) نفس مصدر، ج:۱۵، ص:۱۱۶۔
(۶) تفسیر غریب القرآن، ص:۵۲۴، طبع بیروت۔
(۷) کشاف، ج:۳، ص:۳۲، طبع بیروت۔
(۸) المفردات فی غریب القرآن، ص:۱۷۲، دار القلم دمشق۔
(۹) نفس مصدر، ص: ۲۰۲ ۔
(۱۰) تفسیر طبری، ج:۳۰، ص:۱۵۲، دار المعرفۃ۔
(۱۱) تفسیر قرطبی، ج:۲۰، ص:۱۵، دار الکتب العلمیہ ۔
(۱۲) نفس مصدر۔ (۱۳) البحر المحیط، ج:۸، ص:۴۵۸۔
(۱۴) تفسیر بیضاوی، ج:۵، ص:۴۷۹، دار الفکر۔
(۱۵) الحدید، آیت:۲۰۔ (۱۶) سورہ کہف، آیت:۴۵۔
(۱۷) ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، ص:۳۱۶۔
(۱۸) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن: امام احمد رضا بریلوی۔

☆☆☆☆☆

(ص:۱۷ کا بقیہ)......شاہ غربی یا شاہ غربستان یا فاتح ہند یہ ایک ہی شخص کی صفات ہیں۔ صدر ذو الفقار علی بھٹو سے پہلے جتنے صدر اور گورنر پاکستان میں گزرے ہیں، ان کا حکم دونوں صوبوں پر نافذ ہوتا تھا اور ان کی حکومت مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں پر جلوہ گر تھی۔ پہلا گورنر قائد اعظم محمد علی جناح، دوسرا گورنر اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین تھا تیسرا گورنر غلام محمد تھا، چوتھا صدر سکندر مرزا تھا، پھر پانچواں صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں تھا، پھر چھٹا صدر یحییٰ خان نااہل اور لاپرواتھا۔ اُن کا فرمان پاکستان کے دونوں حصوں یعنی مشرقی حصہ اور مغربی حصہ میں جاری ہوتا تھا، لیکن ساتویں صدر جناب ذو الفقار علی بھٹو کا فرمان صرف مغربی پاکستان میں ہی جاری ہوتا تھا، مشرقی پاکستان میں جاری نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب یہ صدر تخت نشیں ہوا تو مشرقی پاکستان اس سے علاحدہ ہوچکا تھا اور اس پر ہندوستان کا قبضہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ غربی، شاہِ غربستان اسی مغربی پاکستان کا حاکم اور اس کا فرماں روا کوئی بھی صدر ہوسکتا ہے اور پیشین گوئی کے شعر نمبر ۱۵ میں اس کا نام شیر علی آیا ہے۔ بس واضح دلیل یوں سمجھ میں آرہی ہے کہ شیر علی نامی حکمراں مغربی پاکستان کے عہد حکومت میں ہندوستان- پاکستان کے درمیان جنگ ہوگی اور شیر علی فاتح ہوگا اور مغربی پاکستان میں وہ اسلامی نظام نافذ کرے گا۔ دوسرا زاویہ یہ ہے کہ وہ شخص بہ اعتبارِ صفت شیر علی ہوسکتا ہے اور بہ اعتبارِ اسم خواہ وہ ضیاالحق ہی ہو.................(جاری)

پانچویں قسط

جدید علم کلام

ذکر سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

مولانا محمد اسحاق مصباحی

تمام انبیاے کرام اور رسولانِ عظام میں افضل واعلیٰ ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ آپ کی شریعت سب سے کامل اور تا قیامت رہنے والی ہے، اب نجات کے لیے آپ پر ایمان لانا ضروری ہے، اور توحید کا عقیدہ بغیر آپ کی تصدیق کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں۔ آپ جو کچھ اپنے رب کی جانب سے بندوں تک لائے ہیں اس پر ایمان لازم ہے۔ آپ کے دعوت دینے کے بعد سب شریعتیں منسوخ ہو گئیں، جو آپ کی تصدیق نہیں کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ آپ کی دعوت کے بعد بھی دوسرے دین پر عمل کر لے تو وہ دین مقبول نہ ہو گا۔

موجودہ دور میں کچھ لوگ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کسی بھی دین کو اختیار کرنے پر نجات ہو جائے گی، تو وہ دینِ اسلام کی تصدیق کرنے والے نہیں۔ قرآنِ پاک اور احادیث مبارکہ میں صراحۃً بیان ہوا کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تصدیق، نجات کے لیے لازم ہے۔ جو آپ کے لائے پیغام کو اس کی اصلی شکل میں نہیں مانتا وہ مومن نہیں ہے۔ آپ کی عظمت کا جھنڈا آپ کی آمد سے قبل ہی تمام عالم میں لہرا گیا، اور ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے پیدا فرمایا، آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سب سے بڑی نشانی ہے۔ باقی عالم کی تخلیق سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا فرمایا اور جب روحوں کو پیدا فرمایا تو ان سے اور تمام انبیاے کرام سے عالم ارواح میں اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، وہیں آپ کی رسالت اور عظمت وتائید ونصرت کا بھی عہد لیا اور جب اس نے دنیا میں انبیاے کرام بھیجے تو یہ پاک ہستیاں اپنے دور میں آپ کی آمد کا ذکر کرتیں ہیں۔ آپ کی پیدائش سے چھ سو برس قبل حضرت عیسیٰ نے آپ کا نام پاک صراحۃً لے کر آپ کی آمد کا ذکر کیا، اس لیے ہم کو آپ کا ذکر کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً، تمام مذاہب کی کتابوں میں ملتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ تمام عالم میں آپ کے آنے سے قبل آپ کا شہرہ تھا، یہود ونصاریٰ آپ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے، قرآنِ پاک اسی لیے فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ. (سورۃ الانعام)

آپ کی آمد کے وقت ہزارہا نشانیاں ظاہر ہوئیں اور چالیس سال تک ظاہر ہوتی رہیں، اس کے بعد آپ نے اپنے رب کی اجازت سے اللہ رب العزت کی طرف لوگوں کو دعوت دی، پھر آپ کی ذات پاک سے برابر معجزات اور آیات ظاہر ہوتی رہیں، آپ کا لایا قرآنِ پاک مکمل ہوا اور آپ دنیا سے حیات ظاہری سے تشریف لے گئے۔ آپ کی سیرت، افعال، اقوال، معجزات، آیات یہ سب کچھ ائمہ کرام کی تحریروں کے ذریعہ محفوظ ہیں، جس کو روایت کرنے والوں نے احتیاط اور سچائی کی آخری حدوں کا چھو لیا کہ اس سے زیادہ احتیاط ممکن ہی نہیں ہے۔

ختم نبوت: آپ کے خاص اوصاف میں ایک خاص وصف ہے ختم نبوت یعنی آپ کے زمانے میں آپ کے بعد قیامت تک کسی کے لیے نبوت ثابت نہیں اور آپ ہی آخری نبی ہیں، کلام پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا گیا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ آخری نبی ہیں، پوری امت کا اجماع بھی اس پر واقع ہے۔ تو خاتم کو افضل کے معنٰی میں لے کر دوسرے نبی کا وجود آپ کے زمانے یا بعد میں ممکن ٹھہرانا کفر ہے۔ اور آپ کا خاتم یعنی آخری نبی ہونا، یہ عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔ ضروریاتِ دین کے خلاف کوئی عبارت اگر ملتی ہے تو اس عبارت میں تاویل ہو گی، یہ قاعدہ علما کے درمیان مسلم ہے۔ قاسم نانوتوی کہ علم سے کورا تھا، کہہ بیٹھا کہ خاتم بمعنی افضل ہے آخری نبی نہیں۔ اس کے قول کی تفصیل ہم باب ایمان وکفر میں کریں گے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان جیسوں کے رد میں کئی ایک کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

معجزاتِ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم: آپ کے چند معجزات یہ ہیں:

➊ -قرآن پاک۔ ➋ -احادیث کریمہ۔ ➌ -طرز ادا اور

شیخ الحدیث جامعہ رضویہ، کیمری، ضلع رام پور

بیان۔ ➍ -اخلاق وعادات کہ اتنے اچھے کسی کے لیے جمع نہ ہوئے۔ ➎ -آپ کے لیے انبیاے سابقین کی بشارت۔ ➏ -آپ کی امت کی کرامتیں۔ ➐ -آپ کے علوم اور غیب کی خبریں۔

پھر یہ تمام معجزات دو مدح کے زمرے میں ہیں: وہ معجزات جن کا تعلق آپ کی ذات اور اخلاق وعادات سے ہے۔ دوسرے وہ معجزات جو خارجی اشیا میں تاثیر سے متعلق ہیں۔ قسم ثانی کو کونی معجزات کہتے ہیں، آپ سے کونی معجزات بڑی تعداد میں منقول ہیں۔

پتھروں کا سلام کرنا، جانوروں کا کلام کرنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، عصا مبارک کے اشارے سے بتوں کا گرنا، چاند کا دو پارہ ہونا، سورج کا پلٹ کر نکلنا، تھوڑے کھانے کا جم غفیر کو کافی ہونا، انگلیوں سے پانی کے فوارے ابلنا، کائنات کی ہر شے کا آپ کے حکم کا تابع ہونا، معراج پاک سے سرفرازی، کھانے کا تسبیح پڑھنا، آپ کی دعا سے، آپ کے مس کرنے، مسح کرنے یا پھونک مارنے سے امراض شدیدہ کو اچانک شفا ہونا، آپ کا جنگ خندق میں ایسی چٹانوں کو توڑنا کہ سیکڑوں پہلوانوں کے لیے ممکن نہ تھا، اور اس سے ایسی روشنی نکلنا کہ ہزاروں میل کے فاصلے پر عمارتوں کا ظاہر ہونا۔ اور اسی طرح کے ہزاروں واقعات احادیث وتاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور ان کو اتنے بزرگوں نے روایت کیا کہ مجموعہ تواتر کی حد تک پہنچا، اس لیے مطلق معجزات کا انکار حد کفر تک لاتا ہے۔

مستشرقین اور فلاسفہ اور عقل پرستوں نے معجزات کا انکار کیا دلیل تھی کہ یہ خلاف عقل ہیں، ان لوگوں کی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان میں سرسید، مولوی چراغ علی، سید میر علی، رشید رضا اور مفتی محمد عبیدہ وغیرہ نے معجزات کو رد کرنا چاہا اور یہ جھلک سید سلیمان ندوی کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہے۔ ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معجزات عقل کی توجیہ میں نہیں آتے، تو یہ یقین کی چیز نہیں ہے۔ آج کے عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے اکثر معجزات کا انکار شروع کر دیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ یہ خلاف عقل ہے کیوں کہ ان لوگوں میں دہریت پسندی غالب آ رہی ہے۔

یہ دلیل ان لوگوں کی کم عقلی پر مبنی ہے کیوں کہ آئے دن کائنات میں بہت سے واقعات خلاف عادت اور توجیہ عقلی کے مخالف واقع ہوتے ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ پوری کائنات کی ہی کوئی عقلی توجیہ نہیں کی جا سکتی ہے۔ معجزہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی کے دعویٰ کی تائید کے لیے ایک خلاف عادت، غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قدرت کے عجائب محدود ہیں کہ آج عقل کسی عجوبہ کو ناممکن سمجھے، اور کل اس کی عادی ہو جائے۔ حقیقت میں معجزات کونیہ کے منکرین نہ تو عقل کی اعلیٰ حدوں کو پا سکے ہیں اور نہ ہی دین کی روح کو سمجھ پائے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے تدبر سے کام لیا ہے، بلکہ صرف عادی کو غیر عادی پر، غائب کو حاضر پر، غیر محسوس کو محسوس پر قیاس کر کے چھوڑ دیا ہے۔ ان لوگوں پر فلسفہ، سائنس اور مغربی مفکرین کا رعب ہے۔ جب کہ فلسفہ وسائنس کوئی عقیدہ اور یقین کی چیز نہیں ہے۔ احاطہ کا نہ ان کو دعویٰ نہ ان کے لیے ممکن تو کیوں پھر ان احمقوں کی وجہ سے کلام الٰہی اور احادیث کریمہ کے فرامین اور مضامین کو چھوڑا جائے۔ اس باب میں آخری عظیم دلیل ہم ان شاء اللہ شرعیات کی عقلی توجیہ اور ذیلی مباحث میں ذکر کریں گے۔ خود قرآن پاک میں انبیاے کرام کے معجزات کا ذکر ہے اور ان پر ایمان لانا واجب ہے تو کوئی صاحب ایمان ان معجزات کا منکر نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم کے دست پاک پر مردہ پرندوں کا زندہ ہونا، حضرت موسیٰ کے لیے سمندر کی لہروں کا دیوار بن جانا، یہ سب صراحۃً قرآنِ پاک سے ثابت ہیں۔ تو جو لوگ کونی معجزات کے مطلقاً منکر ہیں وہ یقیناً کافر ہیں۔

علم مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم: اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے فضائل کی طرح علم بھی سب سے زیادہ عطا فرمایا ہے۔ ابتداے کائنات سے انتہاے کائنات کا علم بھی آپ کو عطا فرمایا اور یہ علم اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت کرتے ہوئے اتنا بھی نہیں جتنا کہ سمندر میں سوئی کا ناکہ ڈبونے سے تر کرنے پر تری لے آوے۔ تمام مخلوق کو جو علم دیا ہے سرکار کا علم ان سب سے اکثر اعلیٰ اور کامل ہے، اور وہ دو طرح پر ہے۔

➊ ایسا علم جس کی طرف عقل وحواس سے راستہ مل جائے۔

➋ وہ علم جس کی طرف عقل راہ نہ دے۔

اول کو علوم ظاہرہ اور ثانی کو علوم باطنہ یا علوم غیبیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں قسمیں آپ کو اعلیٰ واکثر عطا فرمائی ہیں اور دلیل یوں بھی دی جا سکتی ہے۔ معلوم دو طرح کے ہیں۔ غیب جو احاطۂ عقل میں مطلقاً نہ آئے اور شہادت جو حواس وعقل کے دائرہ میں آ جائے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب وشہادت کا علم عطا فرمایا ہے۔ یہاں پر آ کر آپ کو یہ شبہہ ہو کہ ابتداے کائنات سے انتہاے کائنات تک علم اور

غیب و شہادت کا علم اگر سرکار دوعالم ﷺ کے لیے ثابت کر دیا جائے تو کیا علم خالق و علم مخلوق برابر نہ ہو جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے کائنات سے مراد تخلیق عالم ہے اور انتہائے کائنات سے مراد دخولِ جنت و دوزخ ہے۔ یعنی موت کے ختم ہونے تک اور یہ علم محدود ہے اور باری تعالیٰ کی معلومات غیر محدود ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیب و شہادت معلوم کی صفت ہیں عالم کی نہیں تو دو عالموں کا علم اگر ایک شے سے متعلق ہو جائے تو دونوں عالم میں برابری لازم نہیں۔ لہٰذا اگر غیب و شہادت سے سرکارِ دوعالم کا علم متعلق ہے تو یہ محدود، حادث اور فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم جب اس سے متعلق ہے تو مطلب ہے کہ وہ غیر محدود ہے، باقی ہے، قدیم ہے، کسی کی عطا سے نہیں ہے۔ تو بعض نوخیز دیوبندیوں نے جو یہ کہا کہ باری تعالیٰ اور بندوں کے علم میں کل جز کا فرق ہے، جہالت پر دلالت کرتا ہے اور کفر کو مستلزم کیوں کہ ان کا مطلب ہے فرق کو صرف اس میں محدود کرنا۔ تو لازم ہے کہ اور کوئی فرق نہ ہو اور لازم کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم نہ ہو اور یہ صراحۃً باطل ہے۔

تو صاف ظاہر ہوا کہ سرکار دوعالم ﷺ کے لیے غیب ثابت کرنا باری تعالیٰ کے علم کی برابری کو مستلزم نہیں، اور قرآنِ پاک میں بعض جگہ علوم غیب کو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص بتایا تو اس سے مراد ذاتی ہے اور بعض مقامات پر بندوں کے لیے ثابت فرمایا، تو اس سے مراد عطائی ہے۔ کیوں کہ قرآنِ پاک تعارض و تضاد سے پاک ہے۔ علم غیب عطائی کے ثبوت میں یہ آیت واضح نص ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا الامن ارتضی من رسول.

افضل الرسل ہونا: آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب رسولوں سے بھی افضل بنایا ہے۔ جتنی خوبیاں تمام انسانوں، اور برگزیدہ بندوں میں ہیں ان سب سے کامل و افضل آپ کو عطا کی گئی ہیں۔ جیسے علم، عقل، سخاوت، جود، ذکاوت، شرافت، نسب، طہارت نسب، حال کی پاکیزگی، بات کی سچائی، ایفائے عہد، رحم و کرم، رقت قلب، رافت و حکمت، غرض وہ اشیا جو خوبیاں ہیں وہ سب آپ کو سب سے زیادہ اور اعلیٰ عطا ہوئی ہیں، ان خوبیوں میں دوسروں کو سرکار سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ اور اس کے علاوہ آپ کو وہ کمالات بھی دیے گئے ہیں جو دوسروں کو قطعاً نہیں دیے گئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے حبیب ہونے کا مرتبہ، نبوت و رسالت کا تمام مخلوق کے لیے عام کیا جانا، خاتم النبیین ہونا، قیامت تک دین کی بقا، قرآن کو تحریف و تبدیلی سے محفوظ کیا جانا، قرآن عطا کیا جانا، شفاعت کبریٰ کا منصب، لواء الحمد، صاحب وسیلہ ہونا، سب سے پہلے یوم نشور میں اٹھایا جانا، حوض کوثر، زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہونا، اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ عبادات میں آپ کا نام شامل کیا جانا، حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کا نبی ہونا، عالم ارواح میں آپ کی تائید و نصرت کے لیے اللہ تعالیٰ کا انبیائے کرام سے عہد لینا، ان پاک آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کرنا، ایسی شریعت عطا کیا جانا جو متوسط اور درمیانی، آسانی اور سختی کے بیچ میں ہے۔

قسم ثانی کو فضائل کہا جاتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ قسم اول میں آپ افضل نہیں۔ بلکہ قسم ثانی فضائل اور خواص ہیں اور قسم اول صرف فضائل۔ لہٰذا جب آپ نے دوسروں سے مشورہ کیا یا دوسروں سے کچھ پایا یا کسی طرح کسی شے کو بیان نہ فرمایا تو اسی میں مصلحت ہے اور وہ صرف امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ پر ایمان کے مسائل: انبیائے کرام پر اجمالی ایمان کافی ہے کہ وہ سب سچے ہیں صاحب وحی اور معصوم ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ پر دونوں طرح کا ایمان لازم ہے۔ اجمالی کہ آپ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس میں سچے ہیں، اور باقی کچھ مسائل میں تفصیل سے ایمان لانا واجب ہے۔

۱- یہ جاننا فرض ہے کہ آپ کی نبوت جن و انس سب کو عام ہے اور اہل سنت کے نزدیک تمام کائنات کے لیے ہے اور حق یہ ہے کہ ملائکہ کو بھی شامل ہے۔

۲- آپ کو خاتم لنبیین یقین کرنا فرض ہے، آپ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کسی نبی کی تجویز، یا امکان، یا وقوع کا عقیدہ رکھنا صراحۃً کفر ہے۔

۳- آپ کو تمام مخلوق بلکہ تمام انبیا و رسل سے افضل ماننا لازم ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ کو افضل جاننا اس پر اجماع قطعی ہے۔ بلکہ ضروریات دین سے ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مومن اس سے واقف نہ ہو۔" (المعتمد، ۱۲۴)

آپ کو علی الاطلاق افضل ماننا ضروری ہے کہ جزئی کلی کی

اصطلاح داخل نہ کرنا چاہیے۔ اس کی تفصیل ابھی آپ کے سامنے گزر رہی ہے۔

۴- آپ کے لیے اسرا ماننا فرض ہے، اسرا یعنی معراج، قرآن پاک سے ثابت ہے، ہاں! وہ تفصیل جو احادیث سے ثابت ہے اس سے انکار بدعت اور گمراہی ہے۔ کفر صریح نہیں۔

۵- یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ روز قیامت کوئی آپ کا امتی بلکہ برگزیدہ بندوں میں سے بھی کوئی ایسا نہ ہو گا جس کو آپ کی ضرورت نہ ہو اور جب تک آپ شفاعت نہ کریں گے شفاعت کا دروازہ نہ کھلے گا۔

۶- یہ اعتقاد بھی لازم ہے کہ زمین آپ کا جسد مبارک گلا نہ سکے گی۔ اور آپ کا حشر و نشر اسی جسد مبارک کے ساتھ ہو گا اور باقی انبیائے کرام کے اجسام مبارک کہ اسی طرح محفوظ ہیں۔

سرکار کے حقوق: اسی طرح امت پر نبی ﷺ کے حقوق بھی ہیں جن کی ادائیگی بہر حال امت پر واجب ہے اور وہ یہ ہیں:

۱- آپ پر ایمان، آپ کی تصدیق کے بعد آپ کی اطاعت بھی لازم ہے، آپ نے جو احکام امت کو بتائے ان پر عمل لازم ہے، اس کی تفصیل اسی طرح تسلیم کرنا لازم ہے جو ائمہ مجتہدین نے بیان فرمائی ہیں۔ چار اماموں کی شرعی تفصیل پر امت کا اجماع ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، تو ان میں کسی امام کی تقلید کر کے ہی رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ممکن ہے۔ ان کے زمانے کے بعد جو شخص ان میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتا وہ حقیقت میں سرکار دوعالم کی اطاعت نہیں کرتا۔ آج انھیں ائمہ اربعہ کی تقلید ضروری ہے، ان کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کیوں کہ زمانہ شہوت کا اتنا دراز ہو چکا ہے کہ ان بزرگوں کی تفصیل کے علاوہ دین کے اصول کے حصول کا راستہ نہ رہا۔ لہٰذا غیر مقلد فرقہ اطاعت رسول سے محروم ہے۔ تقلید کی بحث میں آگے گزریں گے۔

۲- آپ کی اطاعت کی طرح آپ کی محبت بھی لازم ہے اور آپ کو جان، مال، رشتہ دار، ماں باپ، بھائی بہن، دوست احباب، مالک و آقا، حاکم و بادشاہ، سب پر مقدم رکھنا واجب ہے۔ جس دل میں آپ کی محبت نہیں وہ دل صاحب ایمان نہیں ہے۔

۳- آپ کا ذکر کثرت سے کریں، حق تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا بھی ذکر ضرور کریں کہ رب تعالیٰ کو یہ منظور ہوا اور اسم گرامی سنتے ہی درود شریف پڑھیں کہ ہزارہا نعمتوں اور برکتوں کا ذریعہ ہے۔

۴- آپ کے دیدار کی تمنا دل میں رکھنا کہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کی تمنا کرتا ہے۔

۵- آپ کے ذکر کے وقت توقیر و تعظیم کا اظہار کریں اور خود کو حضور کا مطیع و فرماں بردار بندہ تصور کریں، دل سے اور عمل سے بھی۔

۶- آپ کے اصحاب و نسل پاک و اہل بیت سے اور آپ سے محبت کرنے والوں سے محبت کریں۔

۷- آپ کے منکرین، عاصی، دشمنوں سے سخت نفرت کریں اور جو ان ناپاک لوگوں سے تعلق رکھے ان سے بھی دور رہیں۔

۸- حضور تعظیم حیات ظاہری اور بعد میں ایک ہی جیسا کریں۔

لہٰذا شیعوں سے نفرت کریں کہ یہ لوگ صحابۂ کرام کی توہین کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں سے بچیں کہ یہ لوگ ہوائے نفس کی اتباع کرتے ہیں۔ دیوبندیوں سے دور رہیں کہ یہ لوگ آپ کی توہین کے مرتکب ہیں۔ خارجیوں سے دور رہیں کہ یہ لوگ صحابۂ کرام کی توہین کرتے ہیں، دہریوں، فطرت پرست، بت پرستوں سے دل نہ لگائیں کہ آپ کے پیغام کو جھٹلانے والے ہیں۔ غرض وہ تمام فرقے جو اہل سنت سے الگ ہیں کسی نہ کسی جہت سے وہ سرکار دوعالم ﷺ کے باغی اور منکر ہیں۔ لہٰذا ہم کو ان کی گمراہیوں سے خود کو بچانا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے محفوظ رکھے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی اطاعت و محبت کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی پر اٹھائے۔ آمین۔

..............................(جاری)

دوسری قسط

پیشین گوئی

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: حافظ محمد سرور نظامی پاکستان

معروف تاجر اور صاحب خیر عالی جناب الحاج رفیق برکاتی صاحب نے یہ دستاویزی مقالہ برائے اشاعت راقم الحروف کو عطا فرمایا ہم ان کے شکریے کے ساتھ یہ گراں قدر مقالہ قسط وار اشرفیہ کے صفحات پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ دراصل جلیل القدر ولی حضرت نعمت اللہ شاہ علیہ الرحمہ کے اشعار کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ خدمت حافظ محمد سرور نظامی نے بڑے سلیقے سے انجام دی ہے۔ مرتب و شارح اپنے مقالے کے پیشِ لفظ میں رقم طراز ہیں:

لوح محفوظ است پیشِ اولیا — از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

ترجمہ: لوحِ محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہوتی ہے، جو کچھ وہاں پر محفوظ ہے وہ خطا سے غلطی سے پاک ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کشمیری ایک عظیم اللہ والے گزرے ہیں، جفر کا علم تو حضور کا غلام تھا۔ یہ آپ کی ادنیٰ کرامت ہے کہ حضور نے آج سے آٹھ سو سال پیش تر پیش گوئی ارشاد فرمائی اور وہ حرف بہ حرف پوری ہوتی چلی آرہی ہے۔ بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے تقریباً دو ہزار اشعار سپردِ قلم کیے ہیں جن میں سے راقم الحروف کے پاس دو سو از تالیس اشعار ہیں۔ بعض کی ردیف "می بینم" اور بعض کی ردیف "پیدا شود" ہے اور بعض قافیہ بیانہ، میزانہ، یگانہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ آپ مختلف شہروں میں سیاحت فرماتے ہوئے کشمیر تشریف لائے اور وہیں وصال فرمایا۔ انگریزوں کے متعلق مندرجہ ذیل شعر حضور نے ارشاد فرمایا:

صد سال حکم ایشاں بر ملک هند میداں — آرید اے عزیزاں، ایں نکتہ از بیانہ

تو لارڈ کرزن نے اس پیشین گوئی کو ممنوع قرار دے دیا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہماری حکومت صرف سو سال ہندوستان میں رہے۔ اشعار عام ملنے مشکل ہو گئے، لیکن محبانِ اولیا اللہ اشعار کی حفاظت کرتے رہے، قلمی بیاضوں میں، سینوں میں، ذہنوں میں کلام محفوظ چلا آیا۔

چناں چہ راقم الحروف کے ذہن میں ایک عرصہ سے خیال پیدا ہوا کہ ان اشعار کو یک جا کر کے طباعت کرائی جائے تاکہ یہ مجموعہ محفوظ ہو جائے۔

ایں چنیں تا چند سالے پادشاہی او کند
او فنا گردد ز عالم پسر آں پیدا شود

ترجمہ: اس طرح چند سال تک وہ بادشاہی کرے گا، وہ اس جہان سے فنا ہو جائے گا تو اس کا بیٹا ظاہر ہو گا۔

بہادر شاہ معظم کا لڑکا فرخ سیر تھا۔ اس کی حکومت ۱۷۱۶ء سے ۱۷۱۹ء تک رہی جو کہ برائے نام حکومت تھی۔

از طفیل مقدمش آید جہاں در اعتدال
غم، حسد، بیروں مسرت در جہاں پیدا شود

ترجمہ: اس کے آنے کے طفیل سے (وسیلہ سے) دنیا اعتدال پر آجائے گی۔ حسد اور غم دور ہو جائیں گے اور جہاں میں خوشی ظاہر ہو گی۔

بعد ازاں شاہِ قوی بازو محمد پادشاہ
او بملکِ ہند آید حکمراں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد محمد بادشاہ زور آور قوت والا ملک ہندوستان میں آئے گا اور حکمراں ظاہر ہو گا۔

محمد شاہ کی حکومت ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۰ء تک ملک ہندوستان پر رہی۔

ہم چناں دو عشر یک سالے بود فرمانِ او
آں بسر آید سرے از سروراں پیدا شود

محمد شاہ کی حکومت ۱۷۱۹ء اور ۱۷۴۰ء کا فرق اکیس سال ہے۔

ترجمہ: اس طرح اس کا حکم اکیس رہے گا۔ وہ ظہور میں آئے گا، پس سرداروں میں سے ایک سردار ظاہر ہو گا۔

نادرِ آید ز ایراں مے ستاند تخت ہند
قتل دہلی پس بزورِ تیغ آں پیدا شود

ترجمہ: نادر شاہ ایران سے آئے گا، ہندوستان کا تخت چھین لے گا، اہل دہلی کا قتل اس کی تلوار کے زور سے ظاہر ہو گا۔

نادر شاہ کا حملہ ہندوستان پر ۱۷۳۹ء میں ہوا۔ نادر شاہ ایک معمولی چرواہا تھا۔ اپنی قابلیت سے ترقی کر کے ایران کا بادشاہ بن گیا۔ بعد میں کابل اور قندھار پر قابض ہو گیا۔ ہندوستان کی حکومت کی کم زوری کا فائدہ اٹھا کر ۱۷۳۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ محمد شاہ نے شکست کھا کر صلح کی التجا کی۔ نادر شاہ محمد شاہ کے مہمان کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ چند روز بعد کسی نے افواہ اڑا دی کہ نادر شاہ مارا گیا، اس پر دہلی کے سپاہیوں نے نادر شاہ کے بہت سے سپاہی قتل کر ڈالے، جس پر نادر شاہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے دہلی میں قتل عام کا حکم دے دیا۔ بارہ گھنٹے کے اندر اندر ڈیڑھ لاکھ کے قریب باشندگانِ دہلی قتل ہوئے۔ آخر محمد شاہ کی التجا پر نادر شاہ نے قتل عام بند کرایا۔ قریباً ۲/ ماہ دہلی میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رہا۔ بعد ازاں کوہِ نور ہیرا اور تختِ طاؤس اور بے شمار دولت لے کر ایران واپس چلا گیا۔

چوں کند عزم سفر سوئے بقا آں تاج دار
رخنۂ در خاندانش از میان پیدا شود

ترجمہ: جب وہ تاج دارِ ہند عالمِ فنا سے بقا کی طرف سفر کا عزم کرے گا، اس کے خاندان میں ایک رخنہ اس کے درمیان میں سے ظاہر ہو گا۔

بعد ازاں شاہِ قوی زور است احمد پادشاہ
او بملکِ ہند آید حکم آں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد زور آور حاکم احمد بادشاہ ہندوستان کے ملک پر جلوہ گر ہو گا اور اس کا حکم ظاہر ہو گا۔

محمد شاہ (رنگیلا) کی وفات کے بعد اس کا لڑکا احمد شاہ حکمراں ہوا، جس کی حکومت برائے نام چند سالہ تھی۔ بڑے بڑے سردار باہمی جنگ و جدل میں مصروف رہے۔ روہیلوں نے بغاوت کر دی، اس کے فرو کرنے پر احمد شاہ کو مرہٹوں سے مدد حاصل کرنا پڑی۔ ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ درّانی نے پنجاب پر حملہ کیا، جس میں اسے فتح ہوئی۔ پنجاب کا علاقہ درانی سلطنت میں شامل ہوا۔ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو اس کے وزیر غازی الدین پسر آصف جاہ نظام الملک والیِ دکن نے اندھا کر کے تخت سے اتار دیا اور عالم گیر ثانی کو بادشاہ بنا دیا جو ۱۷۵۹ء تک حکمراں رہا۔ احمد شاہ کی حکومت ۱۷۴۰ء سے ۱۷۵۴ء تک رہی اس کے بعد عالم شاہ جو عالم گیر ثانی کے نام سے موسوم ہے، اس کی حکومت ۱۷۵۹ء سے لے کر ۱۸۰۶ء تک رہی اور اکبر ثانی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء تک حکمراں رہا اور بہادر شاہ ظفر ثانی ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک برائے نام شہنشاہِ ہندوستان رہا، لیکن ان کے متعلق کوئی شعر ہمیں دستیاب نہیں ہوا۔

شاہ بابر پادشاہ باشد پس ازوے چند روز
در میانش یک فقیر از سالکاں پیدا شود

ترجمہ: وہ جو بابر بادشاہ ہو گا اس کے چند روز بعد اس کے درمیان سالکوں میں سے ایک فقیر ظاہر ہو گا۔

نام او نانک بود آرد جہاں باوے رجوع
گرم بازارِ فقیرِ بے کراں پیدا شود

ترجمہ: اس کا نام نانک ہو گا، دنیا اس کی طرف رجوع کرے گی۔ اس بے اندازہ فقیر کا گرم بازار ظاہر ہو گا، یعنی چرچا ہو گا۔

دلمیانِ ملک پنجابش شود شہرت تمام
قوم سکھانش مرید و پیر آں پیدا شود

ملک پنجاب کے درمیانی حصے میں اس کی بڑی شہرت ہو گی سکھ قوم اس کی مرید ہو گی اور ان کا وہ پیر نمایاں ہو گا۔

نوٹ: لفظ سکھ لکھتے وقت اردو میں (کھ) استعمال ہوتی ہے، لیکن فارسی میں ہائے ہوز لاہوری استعمال کی جاتی ہے، دو آنکھوں والی ہا استعمال نہیں کی جاتی۔

باوا گرو نانک صاحب کی پیدائش ۱۴۴۱ء میں ہوئی اور وفات ۱۵۳۸ء میں ہوئی۔

قوم سکھانش چیرہ دستی ہا کند در مسلمین
تا چہل ایں جور و بدعت اندر آں پیدا شود

ترجمہ: سکھ قوم مسلمانوں پر بہت ظلم و ستم کرے گی۔ یہ ظلم اور بدعت چالیس سال تک اس میں ظاہر ہو گی۔

بعد ازاں گیر د نصاریٰ ملک ہندویاں تمام
تا صدی حکمش میاں ہندوستاں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد عیسائی تمام ملک ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے۔ سو سال تک ان کا حکم ہندوستان پر جلوہ گر رہے گا۔

ظلم و عداوت چوں فزوں گردد بر ہندوستانیاں
از نصاریٰ دین و مذہب رازیاں پیدا شود

ترجمہ: جب اہل ہند پر ظلم اور عداوت کی زیادتی ہو جائے گی اور عیسائیوں کی طرف سے دین و مذہب کو نقصان ظاہر ہو گا۔

ملک ہندوستان پر عیسائیوں کی حکومت پورے سو برس

رہی۔ یہی وہ شعر ہے جس کی وجہ سے لارڈ کرزن نے یہ پیشن گوئی قانوناً ممنوع قرار دے دی تھی اور قادیانی فتنہ (مرزا غلام احمد قادیانی) انگریزوں کا ہی بویا ہوا بیج ہے۔اس کی وجہ سے دین اسلام کو عیسائیوں نے کافی نقصان پہنچایا۔

احتوآء سازد نصاریٰ را فلک در جنگ جیم
نکبت و ادبارِ ایشان رانشاں پیدا شود

ترجمہ: جرمن کی جنگ میں آسمان عیسائیوں کو مبتلا کر دے گا۔ تباہی اور بربادی کا نشان ان کے لیے ظاہر ہو گا۔ یہی عالمی جنگ جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۸ء تک رہی، جرمنی سے لڑی گئی۔ پھر اکیس سال بعد دوبارہ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جرمنوں سے عیسائیوں کی طرف سے لڑی گئی۔

نوٹ: ان جنگوں میں ازروے مذہب عیسائیوں کے لیے تباہی اور بربادی ہوئی۔ کیوں کہ دونوں فریق یعنی اہل جرمن اور اہل برطانیہ عیسائی ہی تھے، ازروے قومیت وہ جرمنی کے باشندے اور یہ برطانیہ کے باشندے تھے۔

فاتح گردد نصاریٰ لیکن از تاراج جنگ
ضعف بے حد در نظامِ حکم شاں پیدا شود

ترجمہ: اہل برطانیہ عیسائی جرمنوں پر فتح پالیں گے، لیکن جنگ کی تباہ کاری سے ان کے نظامِ حکم میں بہت زیادہ کم زوری ظاہر ہو گی۔ (جس کی بنا پر ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے)

واگزارند ہند را از خود مگر از مکر شاں
خلفشارِ جاں گسل در مرد ماں پیدا شود

ترجمہ: عیسائی ہندوستان کو اپنے آپ چھوڑ جائیں گے، لیکن ان کے مکر سے ایک جان لیوا جھگڑا لوگوں میں ظاہر ہو گا۔

دو حصص چوں ہند گردد خونِ آدم شد رواں
شورش و فتنہ فزوں از گماں پیدا شود

ترجمہ: چوں کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، اس لیے انسانوں کا خون جاری ہو گا، شورش اور فتنہ وہم و گمان سے بھی زیادہ ظاہر ہو گا۔

لامکاں باشد ز قہر ہندواں مومن بسے
غیرت و ناموسِ مسلم رازیاں پیدا شود

ترجمہ: اکثر مسلمان ہندوؤں کے غیض و غضب سے بے گھر ہو جائیں گے، یعنی مہاجر ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی غیرت اور ناموس کو نقصان پہنچے گا یعنی مسلمانوں کی لڑکیاں اور عورتیں چھین لی جائیں گی۔

مومناں یابند اماں در خطۂ اسلافِ خویش
بعد از رنج و عقوبت بختِ شاں پیدا شود

ترجمہ: مسلمان اپنے اسلاف کے علاقے میں امان حاصل کرلیں گے۔ سزا اور مصیبت کے بعد ان کی تقدیر ظاہر ہو گی۔

پاکستان ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا تو قتل و خون کا ہونا اور مسلم عورتوں اور لڑکیوں کا ہندوستان میں رہ جانا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ خصوصاً مہاجر مسلمانوں نے کس طرح جان و مال کی قربانی دے کر خطۂ پاکستان حاصل کیا ہے اس لیے مہاجر کو انصار پر یعنی مقامی پر فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ ذاتِ باریِ تعالیٰ نے کلام پاک میں بھی ارشاد فرمایا ہے: فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُهَاجِرِیْنَ عَلَی الْاَنْصَارِ.

نعرۂ اسلام بلند شد بست و سہ ادوار چرخ
بعد ازاں بار دگر یک قہرِ شاں پیدا شود

ترجمہ: اسلام کا نعرہ ۲۳ر سال تک بلند رہے گا، اس کے بعد دوسری مرتبہ ان پر ایک قہر ظاہر ہو گا۔

تنگ باشد بر مسلماناں زمین ملکِ خویش
نکبت و ادبار در تقدیر شاں پیدا شود

ترجمہ: مسلمانوں پر ان کے ملک کی زمین تنگ ہو جائے گی، تباہی اور بربادی ان کی تقدیر میں ظاہر ہو گی۔

یحییٰ خان کا دورِ حکومت ۱۹۶۹ء مارچ سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک رہا اور دو عیدوں کے درمیان جو جنگ ۲۲ر نومبر ۱۹۷۱ء کو ہندوستان اور پاکستان کے مابین لڑی گئی۔ سقوطِ مشرقی پاکستان اسی وجہ سے ظہور میں آیا۔ دیگر مغربی پاکستان سے ۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنگ شروع کی گئی اس میں مسلمانوں کی پوری پوری تباہی اور بربادی ظاہر ہوئی۔ صدر یحییٰ خان کی نااہلی اور لاپروائی سقوطِ مشرقی پاکستان کا باعث بنی، ایک لاکھ فوج جنگی قیدی بنی۔ ملک کا پورا صوبہ ہاتھ سے نکل گیا، غیر بنگالیوں پر ظلم کیا گیا۔ تقریباً ۱۵ر لاکھ غیر بنگالی اور بنگالی جو متحدہ پاکستان کے حامی تھے جان سے مارے گئے۔ اس سے قبل ۲۳ر سال تک مسلمانوں کا بول بالا رہا اور عظمت اسلام کا ڈنکا بجا تھا۔

بعد از تذلیل شاں از رحمت و پروردگار
نصرت و امداد از ہم سائیگاں پیدا شود

ترجمہ: ان کی ذلت کے بعد رب العزت کی رحمت سے نصرت اور امداد ہم سایہ ملکوں سے ظاہر ہو گی۔

لشکرِ منگول آید از شمالِ بہر عون
فارس و عثمان ہم چارہ گراں پیدا شود

ترجمہ: منگول لشکر شمال کی جانب سے مدد کے لیے آئے گا، ایران والے اور ترکی والے بھی مدد کریں گے۔

ایں ہمہ اسبابِ عظمت بعدِ حج گردد پدید
نصرتے از غیب چوں بر مومناں پیدا شود

ترجمہ: کارروائی کے یہ تمام اسباب حج کے بعد ظاہر ہوں گے جب مسلمانوں پر غیب سے مدد ظاہر ہو گی۔ ہم سایہ ملک خصوصاً افغانستان، ایران اور ترکی مددگار ثابت ہوں گے۔

سعودی عرب، لیبیا، مصر، شام، عراق، اردن، غرض تمام بلادِ اسلامیہ جو مشرق وسطیٰ میں موجود ہیں، پاکستان کے مسلمانوں کے لیے مددگار ثابت ہیں۔

اہل علم کے نزدیک چار قومیں امتیاز کی جاتی ہیں۔ آریہ، منگولیہ، حبشیہ، یورپیہ۔ اہل یورپ گورے رنگ کے لوگ ہیں اور اہل حبشہ سیاہ رنگ کے لوگ ہیں۔ اہل آریہ ہندوستان و پاکستان اور ممالک اسلامیہ وغیرہ کے لوگ ہیں۔ اہل منگولیہ انڈونیشیا اور چائنا کے باشندگان ہیں۔ پس مغربی پاکستان کے شمال میں ملک چین ہی ہے جو پاکستان کا دوست ملک ہے۔ اس لیے لشکر منگول چائنا کی فوج کی طرف حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ ہے:

قدرتِ حق می کند غالب چناں مغلوب را
از عمق بینم کہ مسلم کامراں پیدا شود

ترجمہ: ذات باری تعالیٰ کی قدرت اس طرح مغلوب کو غالب کر دے گی۔ میں گہری نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان فاتح ہوں گے، یعنی کامران ظاہر ہوں گے۔

پانصد ہفتاد ہجری بود چوں ایں گفتہ شد
قادرِ مطلق چنیں خواہد چناں پیدا شود

جب یہ اشعار کہے گئے تو اس وقت ۵۷۰ھ ہے۔ لہٰذا ذات باری تعالیٰ اس طرح چاہتی ہے اور اسی طرح ظاہر ہو گا۔

چوں شود در دورِ آنہا جور و بدعت را رواج
شاہِ غربی بہر دفعش خوش عناں پیدا شود

ترجمہ: جب اس کے دور میں ظلم اور بدعت کو رواج ہو جائے گا، غرب کا بادشاہ ان کو دفع کرنے کے لیے حکومت کی اچھی باگ ڈور سنبھالنے والا ظاہر ہو گا۔

قاتل کفار خواہد شد شہ شیر علی
حامیِ دینِ محمد پاسباں پیدا شود

ترجمہ: یہ شیر علی شاہ کافروں کو قتل کرنے والا ہو گا۔ سرکارِ دوعالم محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دین کی حمایت کرنے والا ہو گا اور ملک کا پاسبان ظاہر ہو گا۔

درمیانِ ایں و آں گردد بسے جنگِ عظیم
قتل عالم بے شبہ در جنگ شاہ پیدا شود

ترجمہ: اس کے اور اس کے درمیان ایک بڑی جنگ لڑی جائے گی، ان کی جنگ سے ایک عالم کا قتل بلاشک و شبہہ ظاہر ہو گا۔

فتح یابد شاہ غربستاں بزورِ تبر و تیغ
قوم کافر را شکستِ بے گماں پیدا شود

ترجمہ: غربستان کا بادشاہ ہتھیاروں اور اسلحہ کے زور پر فتح حاصل کرے گا اور کافر قوم کو ایسی شکست ہو گی جو وہم و گمان سے بھی باہر ہو گی۔

غلبۂ اسلام باشد تا چہل در ملک ہند
بعد ازاں دجال ہم از اصفہاں پیدا شود

ترجمہ: اسلام کا غلبہ چالیس سال تک ہندوستان کے ملک میں رہے گا، اس کے بعد دجال (کافر) اصفہان شہر سے ظاہر ہو گا۔

از برائے دفع آں دجال می گویم شنو
عیسیٰ آید مہدیِ آخر زماں پیدا شود

ترجمہ: اس دجال (کافر) کو دفع کرنے کے لیے میں بیان کرتا ہوں غور سے سنیں! حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام تشریف لائیں گے اور حضرت امام مہدی آخر زماں ظاہر ہوں گے۔

آگہی شد نعمت اللہ شاہ از اسرارِ غیب
گفتہ او بر مہر و ماہِ بے گماں پیدا شود

ترجمہ: (مقطع) نعمت اللہ شاہ ولی (رحمۃ اللہ علیہ) غیب کے رازوں سے خبردار اور آگاہ ہیں (اس لیے) ان کا کہا ہوا، دنیا میں، کائنات میں، زمانے میں وہم و گمان کے بغیر ظاہر ہو گا۔

(باقی ص:۹ر پر)

بساطِ دعوت

دوسری قسط

برصغیر میں صوفیائے کرام کا منہجِ دعوت

محمد اکرم ساجد، پاکستان

شفقت و ترحم:- صوفیائے کرام میں دوسروں کے ساتھ شفقت و ترحم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے، خاص طور پر تبلیغی مہمات کے دوران ان کا یہ جذبہ عروج پر ہوتا ہے۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ خواہ دشمن ہو یا دوست، جو بھی ان سے ملتا ان کے اخلاق کا گہرا نقش دل پر لے کر اٹھتا۔ آپ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، غریبوں اور بے کسوں کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے۔ ہندو کثیر تعداد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ ایسا ہی ایک ہندو آپ کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور آپ کی خدمت کرنے لگا۔ آپ نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ اس کے متعلق مصنف "خاتم سلیمانی" کا بیان ہے کہ وہ زہد و اتقا میں صوفیائے وقت سے سبقت لے گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے اس کو اسلامی تعلیم دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں مہارت پیدا کرلی۔ حجِ بیت اللہ کے لیے گیا، واپسی پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور خواجہ صاحب کی خانقاہ میں بیٹھ کر دیگر اعلیٰ مریدین و خلفا کی طرح درس میں مشغول رہنے لگا۔ (۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد گرامی شاہ عبد الرحیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ فرماتے تھے کہ ایک روز احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مجلس میں سکوت تھا۔ اس جگہ مجھے ایک شخص کی صورت دکھائی گئی کہ یہ شخص تمہارے ہاتھ پر رفض سے توبہ کرے گا۔ میں نے یہ واقعہ دوستوں کے سامنے بیان کیا اور اس کا حلیہ بھی تفصیل سے بیان کیا۔ اس واقعہ کے بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا ہوا تھا، وہاں ایک مہمان بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا اور بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ دوستوں نے تعجب کیا کہ ایک اجنبی شخص کے ساتھ جو رفض اور فسادِ عقیدہ کے ساتھ متہم ہے، اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: تمھیں وہ واقعہ یاد نہیں؟ تمام نے سوچا تو اسے پہچان لیا۔ تھوڑے دن گزرے تھے کہ اس نے توبہ کی۔ اس کے بعد بعض لوگوں کی مجلس کی وجہ سے اسے شک پیدا ہوا تو اسے دردِ شکم میں مبتلا کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی کہ اگر سچی خالص توبہ نہیں کروگے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ خالص سنی ہو گیا اور رفض اور رافضیت سے مکمل طور پر بے زار ہو گیا۔ مجھ سے اس نے بیعت کی۔ پہلے اس نے مجھ سے پوچھا کہ کون سا طریقہ اختیار کروں؟ میں نے کہا تمہارے لیے سلسلۂ قادریہ بہتر ہے، کیوں کہ رافضی حضرت غوث الاعظم کو بہت دشمن سمجھتے تھے۔" (۲)

صوفی احمد جان صاحب فریدی کا بیان ہے کہ ۹ر ذی الحجہ ۲۹۴اھ کو ریاست جھل مگسی (بلوچستان) کے فرماں روا نواب قیصر خان مگسی خواجہ غلام فرید چاچڑوی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور جب واپس تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنی تمام گھوڑیوں میں سے عمدہ نسل کی خوب صورت گھوڑی جو "ناز پری" کے نام سے موسوم تھی، مرصع زین اور روپہلی اور طلائی زیورات سے آراستہ کر کے اپنے مختار پائندہ خاں بلوچ کے ذریعہ آپ کی خدمت میں روانہ کی اور پائندہ خاں کو ہدایت کی کہ جب آپ سویرے نماز سے فارغ ہو کر کچہری میں تشریف لائیں تو "ناز پری" کو پیش کر کے درخواست کرنا کہ براہِ کرم اسے اپنی سواری کے لیے قبول فرمائیں۔

پائندہ خان ایک دوسری گھوڑی پر سوار ہوا اور ملازم "ناز پری" ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ یہ لوگ کئی دنوں کے سفر کے بعد ایسے وقت چاچڑاں شریف پہنچے کہ اکثر لوگ سو چکے تھے۔ پائندہ خاں نے گھوڑی مع مرصع زین اور طلائی زیورات میاں نور محمد نگہبان، اسپاں کے حوالے کی اور خود مہمان خانے میں کھانا کھا کر سو گیا۔

اس بات کا نواب قیصر خان کو علم تھا اور نہ ہی پائندہ خان کو کہ جھل کا ایک نامی گرامی چور نندو خان مگسی عرصہ سے اس گھوڑی کی تاک میں تھا۔ پائندہ خان اسے لے کر روانہ ہوا تو وہ بھی تعاقب میں

چل پڑا مگر پائندہ خان کی احتیاطی تدابیر نے اسے راستے میں گھوڑی چرانے کا موقع نہ دیا۔ یہاں فقیر کا اصطبل تھا، کسی کو یہ وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی اس کے مال پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کرے گا اس لیے تمام نوکر چاکر بے خبر سو رہے تھے۔ نندو خان کو موقع مل گیا۔ وہ دیوار پھلانگ کر اصطبل میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے قفل توڑ کر نگراں کی کوٹھی سے مرصع زین اور نقرئی زیورات نکالے، گھوڑی کی پیٹھ پر جلدی سے زین رکھ کر گزرا تو پہرے دار بھاگ کر گھوڑی سے لپٹ گیا اور چور چور کی صدا بلند کی۔ سرائے مہمانوں سے بھری پڑی تھی اور پائندہ خان بھی وہیں سو رہا تھا۔ شور سن کر سب لوگ جاگ پڑے اور چور کا تعاقب کر کے اسے گھوڑی سمیت پکڑ لیا۔ صبح کو جب خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ اشراق کے بعد محل سرا سے بر آمد ہوئے تو چور کو گھوڑی کے ساتھ پیش کیا گیا۔

آپ نے چور سے پوچھا: "بھائی تم چور ہو؟"

چور نے عرض کیا: "جی غریب النواز میں چور ہوں۔"

پھر آپ نے پوچھا: "تم کہاں سے آئے ہو؟"

چور نے جواب دیا: "حضور میں جھل مگسی سے آیا ہوں۔"

پھر خواجہ صاحب نے پوچھا: "تو جھل مگسی سے پیدل آیا ہے؟ واہ بھئی واہ! جھل مگسی تو بہت دور ہے۔"

چور نے عرض کیا: "میں نے اس گھوڑی اور سنہری روپہلی زیورات اور مرصع زین کے لیے رات دن سفر کیا ہے۔"

آپ نے بڑی نرمی سے پھر پوچھا: "تم گھوڑی پر سواری کر سکتے ہو؟" چور بولا: "ہاں جناب! میں بلوچ ہوں اور گھوڑیوں کا سوار ہوں۔" اس وقت پائندہ خان نے پہچان لیا کہ یہ تو نندو بلوچ ہے، بلوچی لباس، ڈھال تلوار سے لیس، بہت بڑی شلوار پہنی ہوئی اور بیس گز کی پگڑی سر پر۔ آپ نے فرمایا

"اچھا دوست: تم اس گھوڑی پر سواری کر کے دکھاؤ۔"

نندو خان آپ کو سلام کر کے گھوڑی کی طرف بڑھا، اچھل کر سوار ہو گیا۔ تقریباً نصف گھنٹے کے بعد واپس لوٹ آیا۔ آپ یہ دیکھ کر کہ گھوڑی بڑے ناز و انداز اور جاہ و جلال سے قدم اٹھاتی ہوئی چلی آ رہی ہے، فرمانے لگے: "جیسے گھوڑی اعلیٰ ہے، ویسے ہی سوار بھی عمدہ ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!"

پھر ارشاد فرمایا کہ: "گھوڑی تو اسے زیب دیتی ہے، سبحان اللہ! اتنے میں نندو خان گھوڑی لے کر واپس آ گیا۔" آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "اگر میں لمبی سی ٹوپی پہن کر گھوڑی پر سوار ہوتا تو یہ الگ روتی اور میں الگ روتا۔ اے جوان! ذرا اپنے سراپا پر نظر ڈالو، کتنے بھلے لگ رہے ہو۔ تم بلوچ خان ہو اور تم نے بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ شلوار پہن کر اور ڈھال تلوار سے لیس ہو کر گھوڑی کی سواری کی ہے، سبحان اللہ! جاؤ بھئی فقیر یہ گھوڑی تجھے نذر کرتا ہے۔"

یہ کلمہ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہی تھا کہ چور بے خود ہو کر گھوڑی سے گر پڑا اور گھسٹتا گھسٹتا آپ کے قدموں کی طرف بڑھا اور والہانہ انداز سے پائے مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر نندو کو اٹھایا اور سینے سے لگا کر شفیق باپ کی طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "بیٹا مبارک ہو، میں خود حیران تھا کہ ایسا شہباز ان گھٹیا کاموں میں کیوں لگا ہوا ہے۔"

اسی وقت چور نے چوری سے توبہ کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اللہ والوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس نے ساری عمر خواجہ صاحب کے قدموں میں بسر کی اور مرشد کی توجہ سے نندو خان کے بجائے "نندو لے شاہ" مشہور ہوا۔ میاں جی میٹھا اور میاں جی پیارا اور کئی دوسرے بلوچ ان کے مرید تھے۔ یہ مجذوب درویش بعدِ وفات کوٹ مٹھن شریف میں ہی سپردِ خاک ہوا۔ (۳)

حاجی فضل احمد مونگا شرق پوری، حضرت میاں شیر محمد شرق پوری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے آج تک یہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ بڑی مسجد حضرت میاں صاحب والی میں نمازِ با جماعت کے وقت مسنون طریقہ پر رکھی ہوئی داڑھی والے حضرات پیش امام کے پیچھے داہنے ہاتھ اور داڑھی صاف کیے ہوئے یا داڑھی کترانے والے بائیں ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف جو بھی عمل کرتا ہے اس کو روک دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ذیل دار صاحب گلے میں پستول ڈالے حضرت صاحب قبلہ سے ملنے آئے۔ جب وہ مذکورہ مسجد میں نمازِ با جماعت کے وقت داہنے ہاتھ کھڑے ہونے لگے تو انھیں روک دیا گیا اور بائیں طرف کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ ذیل دار صاحب کھڑے تو بائیں طرف ہو گئے، لیکن انھوں نے اس بات کو ناگوار جانا اور کہنے والے کو سخت سست کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس آ بیٹھے اور مسکرا کر بڑے

ناصحانہ اور میٹھے انداز میں فرمایا: کیوں صاحب آپ بتا سکتے ہیں کہ داڑھی کیوں منڈوائی جاتی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا: اسی لیے نا کہ آدمی کم عمر اور چھوٹا نظر آئے۔ میرے بھائی! چھوٹا بننے کا ارمان ہو تو پھر کھڑا بھی چھوٹوں میں ہونا چاہیے اور چھوٹوں کا مقام بائیں طرف ہے یا پیچھے۔ یہاں تو شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنے والے ہی کو بڑا مقام حاصل ہے۔ آپ کو رنج نہیں کرنا چاہیے۔[۴]

مثالی کردار:- اگر دینِ حق کے داعی کے قول و فعل میں تضاد ہو، اس کا عمل اس کے قول کی تصدیق نہ کر رہا ہو، دوسرے لفظوں میں وہ اپنی دعوت کا اولین مخاطب اپنی ذات کو نہ سمجھے تو اس کی دعوت دوسروں کے سینوں میں کیا انقلاب برپا کرے گی، خود اس کی اپنی ذات کے لیے رسوائی کا باعث بن سکتی ہے۔

عمل اور کردار کے ارفع مقام پر فائز رہنے والے ہی تبلیغِ دین کے فریضہ کو کماحقہ سر انجام دے سکتے ہیں اور انھیں کی تبلیغ اثر انگیز اور اثر پذیر ہوتی ہے۔[۵]

صوفیاے برصغیر نے اپنی دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے مثالی کردار سے بھی خوب مدد لی۔ اس سلسلے میں حضرت پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"یہ ہستیاں (صوفیاے کرام) اپنے ساتھ دولت کے خزانے نہیں لائی تھیں، لشکرِ جرار ان کے ہم رکاب نہ تھے، فنِ مناظرہ میں بھی مہارت کا انھیں دعویٰ نہ تھا۔ ان کے پاس اپنی زندگی کی کھلی کتاب تھی جس کی ہر سطر سے نورِ عرفان کے چشمے ابل رہے تھے۔ ان کے پاس اپنی دل ربا سیرت اور بے داغ کردار تھا جو پکار پکار کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے رہا تھا۔ ان کی صداقت کی دلیل ان کے نورانی چہرے تھے جو مہر درخشاں کو چمکا رہے تھے۔"[۶]

خلیق احمد نظامی مشائخ چشت کے تبلیغی طریقۂ کار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسلام اور اسلام کے اصولوں کی اشاعت کے لیے جو طریقۂ کار مشائخ چشت نے اختیار کیا تھا وہ مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زبان سے کسی اصول کی تبلیغ و اشاعت کو بے سود و بے کار سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک انسان کی زندگی خود ان اصولوں کی تفسیر نہ بن جائے، کسی کو ان اصولوں سے دل چسپی پیدا نہیں کرائی جا سکتی۔ عمل میں ایک جاذبیت ہے، اس کا اثر زیادہ گہرا اور زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔"[۷]

مقدمہ کشف المحجوب (اردو) میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) کے بارے میں مرقوم ہے کہ اپنے مرشدِ کامل کے وصال کے بعد آپ نے اپنے وطن غزنی کو خیر باد کہا اور تبلیغ اسلام کا شوق آپ کو کشاں کشاں بت کدۂ ہند میں لے آیا۔ آپ کے ہم راہ آپ کے دوست شیخ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اسلام کے یہ پر جوش مبلغ اگرچہ تعداد میں قلیل تھے لیکن ماحول کی اجنبیت، ساز و سامان کے فقدان اور مخالفین کے تشدد و تعصب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے لیے لاہور کی طرف روانہ ہوئے اور یہ راستے میں جہاں جہاں ٹھہرے کفر و ظلمت کے اندھیروں میں توحید کی شمعیں فروزاں کرتے آئے۔ جب سر زمین لاہور ان نفوسِ قدسیہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئی اس وقت لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا لڑکا سلطان مسعود غزنوی سریر آراے سلطنت تھا۔ اس کا عہدِ حکومت ۴۲۱ھ ہے لیکن لاہور میں آپ کی آمد کے سال کا تعین مشکل ہے۔ اگر آپ کا وصال ۴۵۶ھ تسلیم کیا جائے تو لاہور میں آپ کے قیام کی مدت ۳۰/ سال سے زائد بنتی ہے۔ اس عرصہ میں آپ شب و روز اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ کی بے داغ اور دل کش سیرت، پر نور شخصیت، آپ کے پر خلوص دل سے نکلے ہوئے اور دلوں میں اتر جانے والے مواعظ حسنہ لوگوں کو کفر و ضلالت کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر گام زن کرتے رہے۔ جن خوش نصیب لوگوں نے آپ کے دستِ ہدایت پر اسلام کی بیعت کی، آپ کے فیضِ نگاہ کی برکت سے ان کے لوحِ قلب پر کلمۂ توحید یوں نقش ہوا کہ صرف وہی تا دمِ واپسیں اس کی لذت سے سرشار نہیں رہے بلکہ ساڑھے نو سو سال گزرنے کے باوجود ان کی نسلیں بھی اسی ذوق و شوق کے ساتھ اسی کلمۂ توحید کا ورد کر رہی ہیں اور جب بھی وقت آتا ہے تو پرچمِ توحید کو بلند کرنے کے لیے بلا تامل، بصد مسرت اپنے سروں کے نذرانے پیش کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی یہی خصوصیت ہے کہ ان کا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں ہوتا بلکہ گردشِ لیل و نہار اور حوادثاتِ دہر کے باوجود اس کی سرمستیاں بڑھتی رہتی ہیں، اس کی آب و تاب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک درویش جس کے پاس نہ خزانہ ہے، نہ لشکر، نہ دنیوی وسائل ہیں اور نہ جاہ و حشمت، اپنے مصلیٰ پر بیٹھا ہے، اپنے معبودِ برحق کی یاد میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے نزول کے باعث اسے وہ شانِ دل ربائی عطا کر دی جاتی ہے کہ لوگ اس کے رخِ زیبا کو دیکھتے ہی اپنے "زنار" توڑ دیتے ہیں، اپنے آبائی عقیدوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیتے ہیں، کل تک جن بتوں کی پرستش وہ کرتے تھے، آج اپنے ہاتھوں سے انھیں ٹکڑے کر دیتے ہیں اور خداوند قدوس کی بارگاہِ بے کس پناہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ ان سجدہ ریزیوں میں انھیں جو لطف، جو سرور، جو کیف میسر ہوتا ہے اس پر وہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ غزنوی خاندان کے باہمت فاتحین نے ممالک فتح کیے، قلعے سر کیے اور شاہی محلات پر اپنے پرچم لہرائے، لیکن ہجویر سے آئے ہوئے اس غریب الدیار درویش نے قلوب کو مسخر کیا اور تعصب اور ہٹ دھرمی کے قلعوں کو پیوندِ خاک کیا، جہالت و گم راہی کے پردوں کو سرکا کر حقیقت کے رخِ زیبا کو یوں بے نقاب کیا کہ ہر صاحب قلبِ سلیم دیوانہ وار اس پر سو جان سے نثار ہونے لگا۔"[۸]

امیر خورد شیخ نصیر الدین محمود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کاتب حروف ایک دن اس بادشاہ دین (شیخ نصیر الدین محمود) کی خدمت میں بیٹھا ہوا اس مشائخ روزگار کے جمال و کمال کو دیکھ کر مسرور ہو رہا تھا۔ اس موقع پر میری تربیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! آدمی کا نفس بہ منزل ایک درخت کے ہے جو خواہشاتِ نفسانی کی مدد سے آدمی کی ذات میں جڑ پکڑتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے۔ اگر آدمی اسے بتدریج اور عزم و حوصلے سے عبادت، تقویٰ، قوتِ محبت و عشق کے زور سے ہر روز اس درخت کو ہلائے تو البتہ اس کی جڑ کمزور ہو جائے گی اور یہ درخت اکھڑنے کے قابل ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کی بندگی اور پیر کی محبت کی وجہ سے یہ درخت اکھڑ جائے گا۔ آپ کی اس تقریر دل پذیر نے میرے دل پر بڑا گہرا اثر کیا اور آپ کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ واقعی مشائخ کبار کی نصیحت حق پر مبنی ہوتی ہے کیوں کہ انھوں نے نفس اور شیطان کو حقیر کیا ہوا ہوتا ہے اور اپنے اندرون سے ان دشمنوں کو بالکل نیست و نابود کر کے حق سے وابستہ اور خلق سے قطع تعلق کیے ہوتے ہیں۔ جب شیخ، جب کہ وہ منظورِ نظر حق تعالیٰ ہوتا ہے، نصیحت کرتا ہے تو وہ نصیحت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔"[۹]

چشتی صوفیاے کرام نے اپنی خانقاہوں کا تربیتی نظام اس اصول کے تحت بنایا تھا کہ عوام کو اخلاقی درس کتابوں سے نہیں "عمل" سے دیا جائے۔ چناں چہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ علما جو کچھ زبان سے کہا کرتے ہیں مشائخ اسی کو عمل میں "دکھاتے ہیں" یعنی پند و نصیحت "لسانِ حال" سے مؤثر ہوتی ہے، لسانِ حال سے نہ ہو تو لسانِ قال سے کچھ نہیں ہوتا۔"[۱۰]

ایجاز و اختصار:- بعض صوفیاے کرام کے یہاں یہ بات بھی ملتی ہے کہ وہ دعوتِ دین کے سلسلے میں لمبے لمبے وعظوں کے بجائے ایجاز و اختصار سے کام لیتے تھے۔ یوں ان کے دل سے نکلے ہوئے جملے مخاطب کے دل پر اثر کر جاتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے[۱۱]

اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ کریں:

"خواجہ شمس الدین العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ) جو کہ دورِ حاضر کی عظیم علمی و روحانی شخصیت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد ہیں کے بارے میں پروفیسر حافظ احمد بخش لکھتے ہیں:

"موضع "میانہ گوندل" کے ایک زمیں دار میاں محمد بھوڑ آپ کے مرید تھے۔ وہ نماز میں سستی کیا کرتے۔ کسی نے آکر شکایت کی: حضور! میاں محمد بھوڑ آپ کا مرید بھی ہے اور نماز بھی نہیں پڑھتا۔ آپ نے میاں صاحب کو خط لکھا جو صرف ایک سطر پر مشتمل تھا کہ "میاں محمد! دیکھنا قیامت کے روز میں اور تم شرمندہ نہ ہوں۔" اس سادہ سے جملے کا یہ اثر ہوا کہ میاں صاحب نہ صرف نمازِ پنج گانہ کے پابند ہو گئے بلکہ نمازِ تہجد بھی کبھی قضا نہ ہوئی۔"[۱۲]

کھیوڑہ میں آپ کے عقیدت مند راجہ مکھن خان مرحوم تھے جو نمک کی کان کے کارکنوں کے نمبر دار تھے۔ ان کا ایک دوست ملک فتح محمد ساکن "دوالیاں" جو بہت بڑا زمیں دار تھا، شراب پینے لگ گیا اور یہ بری عادت رفتہ رفتہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس نے اپنی قیمتی جائداد حتیٰ کہ زمین بھی بیچنی شروع کر دی۔ راجہ مکھن خان کو جب اپنے دوست کی عادت کا علم ہوا تو انھیں بڑا دکھ ہوا۔ سمجھانے کے لیے اس کے پاس گئے۔ بے تکلف دوست تھے، خوب سرزنش کی۔ اس نے کہا: راجہ صاحب!

آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور مجھے طعن و تشنیع کر رہے ہیں، شراب پینا میری عادت بن چکی ہے، اب اس کے بغیر میرا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اگر شراب کے حصول کے لیے مجھے گھر تک فروخت کرنا پڑے تو میں باز نہیں آسکتا، میری مجبوری ہے۔ راجہ صاحب اس کی صاف گوئی اور بے بسی پر از حد رنجیدہ خاطر ہوئے اور اسے کہا: اگر تم میرے مرشد کے پاس بھیرہ شریف چلو تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا، چناں چہ دونوں دوست بھیرہ شریف پہنچے۔ راجہ مکھن خان نے اپنے دوست ملک فتح محمد کو باہر بٹھایا اور خود حضرت امیر السالکین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہو کر اپنا مدعا عرض کیا۔ ان کی گفتگو سن کر آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا، پھر فرمایا: اپنے دوست کو اندر بلاؤ۔ جب ملک فتح محمد حاضر خدمت ہوا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: ملک صاحب شراب نہ پیا کرو۔ ملک صاحب خود لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ آپ کے ایک بول نے میری حالت بدل کر رکھ دی۔ میرے دل میں شراب کے بارے میں انتہائی نفرت پیدا ہو گئی جس چیز کے بغیر میرے لیے ایک لمحہ گزارنا مشکل تھا اب اس کے نام تک سے نفرت ہو گئی، پھر زندگی بھر طلب پیدا نہ ہوئی۔ ایک دن میرے ساتھیوں نے شراب کا بھرا جام زبردستی میرے منہ سے لگایا، جوں ہی شراب میرے ہونٹوں سے ٹکرائی مجھے قے شروع ہو گئی اور اتنی قے آئی کہ میرا حال برا ہو گیا۔ ملک صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مردِ درویش کی ایک نگاہ نے میری ساری باطنی غلاظتوں کو صاف کر دیا۔[۱۳]

خواجہ غلام فرید چاچڑوی (م ۱۳۱۹ھ) کے حوالے سے مولانا نور احمد خاں فریدی لکھتے ہیں:

"ایک دن مجلس گرم تھی، ایک جانب نواب اور ارادت مندان دست بستہ سر جھکائے کھڑے تھے اور دوسری جانب مخدوم سید ولایت شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فضل حق منگھیروی رحمۃ اللہ علیہ سید غلام شاہ رحمۃ اللہ علیہ خواجہ کرم الدین پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سلطان احمد خان بیلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فخر روز گار مشائخ اور علما صف بستہ نظر آرہے تھے۔ سب کی نظریں جھکی ہوئیں، مہر بلب اور ہر جانب ہو کا عالم، کسی کی کیا مجال کہ بغیر اذن زبان کو جنبش دے۔ عرض کرنے کا انداز یہ تھا کہ سائل دست بستہ حضور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا، حضور محبوبانہ تبسم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر وہ مافی الضمیر عرض کرتا۔ دفعتاً ایک شخص نے عرض کرنے کی اجازت چاہی اور اشارہ پا کر بولا: "سائیں دوزخ وچ کیڑے لوگ ویسن؟" (دوزخ میں کون لوگ جائیں گے؟) ارشاد ہوا، بھئی آپ نے بڑی اچھی بات پوچھی ہے، اس کا جواب فقیر کل دے گا۔

دوسرے دن جب کہ معمول کے مطابق بڑے بڑے امرا اور رؤسا جمع تھے، حضور نے فرمایا: وہ کون شخص تھا جو کل پوچھ رہا تھا کہ دوزخ میں کون لوگ جائیں گے؟ وہ شخص کھڑا ہو گیا اور دست بستہ عرض کی: حضور! میں تھا۔ حضور نے فرمایا: ادا! ایہا "میں" گھنے بندیاں کوں دوزخ وچ گھن ویسی۔ یعنی میرے بھائی! یہی "میں" بہت سے لوگوں کو دوزخ میں لے جائے گی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ متکبر امیروں کی گردنیں جھک گئیں۔"[۱۴]

سبحان اللہ! خواجہ صاحب نے لمبے چوڑے وعظ کے بجائے ایک جملے میں کئی متکبر امیروں کے غرور کو زائل کر دیا۔ صاحب زادہ غلام نظام الدین مردلوی، خواجہ معظم الدین مردلوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں رقم طراز ہیں:

"۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۵ء میں حافظ محمد امین اپنے بھانجے کو ساتھ لے کر سیال شریف حضرت شیخ کی زیارت کے لیے گئے۔ آمد و رفت کے وسائل کچھ ساز گار نہ تھے۔ گھر سے پیدل چل پڑے۔ صعوبتیں اٹھاتے دو تین راتیں راستے میں ٹھہرے۔ جہاں جہاں راستے میں وہ رات ٹھہرتے وہاں سے پیر سیال کے مریدان سے شوقِ زیارت کا حال سن کر خود بھی تجدیدِ ملاقات کے لیے ان کے ساتھ ہو لیتے، یوں ایک چھوٹا سا قافلہ بن گیا جو سراپا عالم شوق بن کر بالآخر ایک روشن اور سہانی صبح کے وقت سیال شریف پہنچ گیا۔ حضرت شیخ اس وقت نمازِ اشراق کی التحیات میں تھے۔ حضرت کو نوافل سے فراغت کی طرف آتے دیکھ کر اہل قافلہ میں شوق کی چنگاری بھڑک اٹھی اور خواجہ معظم الدین کے ضمیر میں "پہلی ملاقات" کے نفسیاتی اضطراب نے ذہنی کش مکش کی ہلچل ڈال دی۔ حضرت شیخ خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام پھیرا تو حافظ محمد امین نے قدم بوس ہو کر بھانجے کو اس عنوان سے پیش کیا کہ یا حضرت! دعا فرمائیں، خدا اس بچے کو علم عطا فرمائے، اب تک تو یہ کھیل کود میں ہی سارا وقت ضائع کر دیتا ہے اور پڑھنے سے جی چراتا ہے۔

حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بچے کی لوحِ پیشانی کی طرف دیکھا تو بشاشت سے آپ کے چہرے کا ماحول ایک پر اسرار گلِ خنداں میں تبدیل ہو گیا۔ در اصل اس وقت آپ کچھ دیکھ رہے تھے۔ اسی کیفیتِ خاص میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ برخوردار پڑھا کرو، تم سے ہمیں بہت کام لینا ہے۔ خواجہ صاحب بیعت کر کے ماموں کے ساتھ پیر بھائی بن کر واپس آگئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳ برس تھی۔ بس اتنی سی ملاقات تھی اور یہی الفاظِ مبارک تھے جنھوں نے خواجہ صاحب کے لاشعور میں جاگزیں ہو کر اندر ہی اندر ایک انقلاب برپا کر دیا۔ روئی کا ڈھیر جتنا بھی بڑا ہو جلانے کے لیے ایک ننھی سی چنگاری ہی بہت ہے۔ حضرت سیالوی کا فرمان خواجہ صاحب مردلوی کی روح میں پیوست ہو چکا تھا، چناں چہ وہ اس فرمان کی تکمیل میں ساری عمر کوشاں رہے اور بڑی سے بڑی فضیلت حاصل کرنے کے بعد بھی اندر سے مطمئن نہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ جس معیار پر حضرت شیخ مجھے لانا چاہتے تھے شاید میں وہاں تک نہیں پہنچ پایا۔"[۱۵]

گیانی مہیندر سنگھ مشہور بزرگ حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک بار قصبہ کے دو بڑے اور بااثر حضرات میں دشمنی کی بات یہاں تک بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو بھی اس جھگڑے کا پتہ چلا، اتفاق سے ان میں سے ایک صاحب قدم بوسی کو حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا: تم کو نہیں معلوم کہ بغض نفاق کی جڑ ہے اور نفاق سے ایمان خراب ہوتا ہے۔ وہ صاحب بے حد شرمندہ ہوئے اور ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان پر آپ کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ فوراً جا کر جانی دشمن کو گلے سے لگایا، کدورت کے بادل چھٹ گئے، دونوں ایک ساتھ دربارِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپس میں صلح ہو جانے کا تذکرہ کیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا، دو بھائیوں میں عداوت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں، جاؤ عداوت سے ہمیشہ احتراز کرو۔"[۱۶]

حوالہ جات

۱۔ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۲۱ے-۲۲ے-

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، انفاس العارفین، اردو ترجمہ حکیم محمد اصغر فاروقی، فضل نور اکیڈمی، چک سادہ شریف، گجرات، اشاعت اول، ۱۹۷۰ء، ص: ۹۵

۳۔ مولانا نور احمد خاں فریدی، شرح دیوان فرید، قصر الادب ملتان، جلد: ۱، ص: ۳۰-۳۳-

۴۔ فضل احمد مونگا شرق پوری، حدیث دلبراں، مونگہ برادران، شرق پور شریف، اشاعت اول ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء، ص: ۲۶۹-

۵۔ پروفیسر غلام عابد خان، انوار عمر، احباب پبلشرز، لاہور، اشاعت اول ستمبر ۱۹۹۸ء، ص: ۶۳-

۶۔ پیر محمد کرم شاہ ازہری، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ج: ۳، ص: ۲۳۹-

۷۔ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۳۰۰-

۸۔ پیر محمد کرم شاہ ازہری، مقدمہ کشف المحجوب (اردو)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت بیست و چہارم، ص: ۳۷-۳۸-

۹۔ سیر الاولیا، ص: ۳۸۸-۳۸۹-

۱۰۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰-

۱۱۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، اسد پبلی کیشنز لاہور، ص: ۱۹۹-

۱۲۔ پروفیسر حافظ احمد بخش، امیر السالکین حضرت پیر امیر شاہ صاحب، ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور، جلد: ۳۳، شمارہ: ۱۱، جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ / اگست ۲۰۰۳ء، ص: ۸۲-

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ شرح دیوانِ فرید، ج: ۱، ص: ۳۰-

۱۵۔ صاحب زادہ غلام نظام الدین مردلوی، ابو المعظم، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء، ص: ۱۳۵-۱۳۶-

۱۶۔ گیانی مہیندر سنگھ، حاجی بابا (سید وارث علی شاہ) ماہ نامہ ضیائے حرم، وارث الاولیا نمبر، لاہور، جلد: ۳۳، شمارہ: ۶، ذو الحجہ ۱۴۲۲ھ / مارچ ۲۰۰۲ء، ص: ۶۰-

☆☆☆

فضائل شعبان- احادیث کریمہ کی روشنی میں

ابو التمش

شعبان کے روزے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ روزہ رکھتے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے اور میں نے نہیں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ میں پورے روزے رکھے ہوں اور نہ شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی مہینے میں آپ کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر ۱۸۴۷)

بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ آپ شعبان کے پورے مہینہ میں روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اتنا ہی عمل اختیار کرو جتنے کی تم طاقت رکھتے ہو۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر ۱۸۴۸)

مغفرت کی رات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا تو آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی آپ ﷺ بقیع میں تھے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ڈر رہی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم نہ کریں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے سمجھا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو آسمان دنیا پر جلوس فرماتا ہے اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم حدیث عائشہ کو حجاج کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ یحیی بن کثیر نے عروہ سے اور حجاج نے یحیی بن کثیر سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر ۷۱۷)

مشکوۃ شریف میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو بستر پر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی رات (یعنی شعبان کی پندرھویں شب) کو آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب (کی بکریوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشتا ہے اور رزین نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ: مومنین میں سے جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں انہیں بخشتا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر ۱۲۶۹)

"بقیع" مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے اسی کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ اسی واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کو اپنی باری کے موقع پر بستر پر نہیں پایا تو میں آپ ﷺ کے نقش قدم ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل گئی اچانک میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بقیع میں سجدے میں پڑے ہوئے اور سجدہ بھی آپ ﷺ نے دراز کیا۔ بہت دیر کے بعد سجدے سے اٹھ کر سلام پھیر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ڈرتی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ظلم کا معاملہ کریں گے، یعنی تمہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں تمہاری باری چھوڑ کر کسی اور بیوی کے ہاں چلا گیا ہوں؟

اس کے بعد حضرت عائشہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان نہیں کیا (نعوذ باللہ) اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا ہے بلکہ مجھے تو خیال ہو گیا تھا کہ یا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کے پاس سے اٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ شعبان کی پندرھویں شب کو اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے یعنی اس کی رحمت کاملہ کا فیضان اس بے کراں طور پر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنو کلب کے ریوڑ کے جتنے بال ہیں اس سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ وقت چوں کہ برکات ربانی اور تجلیات رحمانی کے اترنے کا تھا اس لیے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی امت کے لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کروں چناں چہ میں جنت البقیع میں پہنچ کر اپنے پروردگار کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ حضرت امام ترمذی کے قول سے معلوم ہوا۔ لیکن فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتا ہے سوائے شرک کرنے والے اور کینہ رکھنے والے کے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر ۱۳۹۰)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بابرکت اور مقدس رات کو اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ دنیا والوں پر متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دریائے رحمت اتنے جوش میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اپنی بندگی و عبادت اور اطاعت و فرماں برداری میں سرزد ہوئی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ مگر کفر اور حقوق العباد معاف نہیں فرماتا اور ان کے معاملے میں اتنی مہلت دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں اور اپنی بداعتقادی اور بدعملی سے باز نہ آئیں تو انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور منقول ہے کہ ناتا کاٹنے والے یعنی رشتہ داری اور بھائی بندی کو منقطع کرنے اور کرانے والے، کو بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا، اسی طرح بعض روایتوں میں ازار لٹکانے والوں یعنی ٹخنوں سے نیچا پائجامہ، لنگی لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں، ہمیشہ شراب پینے والوں، بعض روایتوں میں زنا کرنے والوں، بعض روایتوں میں عشار یعنی ظلم کے ساتھ محصول لینے والوں، جادو کرنے والوں، کاہن، عریف یا غیب کی باتیں بتانے والوں اور صاحب عرطبہ یعنی باجا بجانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ بدبخت لوگ ہیں جو اس مقدس شب میں پروردگار کی عام رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

کینہ (کپٹ) رکھنے والے سے مراد وہ آدمی ہے جو شرعی جہت سے نہیں بلکہ نفس امارہ کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ دوسروں کے لیے اپنے سینے میں بغض و حسد کی آگ جلائے رکھتا ہے ایسا بدباطن آدمی بھی اس بابرکت رات کو پروردگار کی عام بخشش سے کوئی حصہ نہیں پاتا شب برات کو بھی جو بدبخت رحمت الٰہی کے سائے میں نہیں ہوتا بایں طور کہ ان کی بخشش نہیں ہوتی ان کی تفصیل مختلف روایات میں مذکور ہے چناں چہ یہاں تو کفر کرنے والے، کینہ توز اور ناحق کسی کی جان لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات کو عبادت کرو اور آئندہ دن روزہ رکھو اس لیے کہ اس میں غروب شمس سے فجر طلوع ہونے تک آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے اور یہ کہتا ہے: ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی روزی کا طلب گار کہ میں اس کو روزی دوں۔ ہے کوئی بیمار کہ میں اس کو بیماری سے عافیت دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر ۱۳۸۸)

ام المومنین حضرت عائشہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا، کیا تم جانتی ہو کہ اس شب یعنی پندرھویں شعبان کی شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے تو معلوم نہیں آپ ﷺ ہی بتائیے کہ کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی آدم کا ہر وہ آدمی جو اس سال پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات کو لکھا جاتا ہے، بنی آدم کا ہر وہ آدمی جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے، اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں۔

(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر ۱۲۷۵)

مغفرت کی رات:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شب برات) تو اس رات کو نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیوں کہ اللہ جل شانہ، اس رات کو آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر ۱۲۷۷)

شب براءت کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ ؟ یہی وہ مقدس شب ہے کہ پروردگار عالم اپنی رحمت کاملہ اور رحمت عامہ کے ساتھ اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف لاتا ہے، ان کے دامن میں رحمت و بخشش اور عطا کے خزانے بھرتا ہے۔

خوش خبری ہو ان نفوس قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدس شب میں اپنے پروردگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈھتے ہیں عبادت و بندگی کرتے ہیں، اپنے مولا کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور مولیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی رحمت کاملہ کے صدقے قبول فرماتا ہے۔

افسوس ان حرماں نصیبوں پر، جو اس بابرکت و باعظمت شب کی تقدیس کا استقبال لہو و لعب سے کرتے ہیں، آتش بازی جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو کر اپنی نیک بختی و سعادت کو بھسم کرتے ہیں اور کھیل کود میں پڑ کر رحمت خداوندی سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم شب براءت کی عظمت و فضیلت کا احساس کریں۔ اس رات کی تقدیس کا احترام کریں اور عبادت و بندگی کا مخلصانہ نذرانہ پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کی رحمت عامہ سے اپنے دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کریں۔

اکثر صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروق اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود وغیرہما سے منقول ہے کہ وہ اس رات کو یہ دعا بطور خاص پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا اَشْقِیَاءَ فَامْحُہٗ، وَاکْتُبْنَا سُعَدَاءَ وَاِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَاَثْبِتْنَا فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَنْ تَشَاءُ وَتُثْبِتُ عِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ۔

ترجمہ: اے پروردگار! اگر تو نے (لوح محفوظ میں) ہمیں شقی لکھ رکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہمیں سعید و نیک بخت لکھ دے اور اگر تو نے (لوح محفوظ میں) ہمیں سعید و نیک بخت لکھ رکھا ہے تو اسے قائم رکھ، بے شک جسے تو چاہے مٹائے اور جسے چاہے قائم رکھے اور تیرے ہی پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔

پندرہویں شعبان کی شب میں اس دعا کا پڑھنا حدیث میں منقول ہے۔

پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت:

کتاب اللآلی میں لکھا ہے کہ اس رات کو نماز الفیہ یعنی سو رکعتیں نفل نماز اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں دس دس قُل کی قراءت ہو جیسا کہ دیلمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مضمون نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ۔ اس سلسلے میں میں یہ کہتا ہوں کہ اتنی بات تو طے ہے کہ نماز الفیہ کے سلسلہ میں حدیث ضعیف منقول ہے اور نفل اعمال کے سلسلے میں، ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے علما نے اس نماز کے پڑھنے سے جو منع کیا ہے وہ اس لیے کہ اس کے ساتھ بہت زیادہ منکرات کا اجتماع ہو گیا تھا لہٰذا اگر کوئی آدمی تنہا اور منکرات کے بغیر اس نماز کو پڑھتا ہے تو جائز ہے، پڑھ سکتا ہے۔ ☆☆☆

تہذیبی جنگ

علمی نظریہ یا استعماری سیاست کاری

انبساط احمد علوی

ہم عصر دنیا پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیاسی برتری اس کی اقتصادی قوت کی رہین منت رہی ہے۔ امریکی تجارتی دارالسلطنت نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر بھی ایک اعتبار سے اسی برتری کی ایک بڑی متاثر کن علامت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواں صدی کے اوائل میں دو جڑواں عمارتوں کے اس فلک بوس اور پر شکوہ کمپلیکس کی فضائی حملوں میں تباہی نے دنیا کی واحد باقی ماندہ عالمی قوت کے طور پر نہ صرف امریکہ بلکہ اس کے یورپی حلیفوں کو بھی ایک بڑے سنگین نفسیاتی مسئلہ سے دوچار کر دیا ہے اور اب وہ ذہنی اور زمینی طور سے خود کو ایک نئی سرد جنگ میں مبتلا دیکھتے ہیں۔

امریکہ اور اس کے ہم نواؤں کو یقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا انہدام "اسلامی دہشت گردوں" کے ایک بین الاقوامی گروہ کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ اس احساس نے مغربی دنیا کو درپیش مذکورہ سرد جنگ کو (جو کچھ ایسی سرد بھی نہیں ہے) ایک مذہبی رنگ بھی دے دیا ہے۔ چناں چہ امریکی صدر جارج بش جونیئر نے تو جو آئین کی مدد سے اپنے ملک کی افواج کے سالار اعلیٰ بھی تھے، نائین الیون کے سانحہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ہی مغربی دنیا کے خلاف مبینہ طور سے سرگرم تمام مسلم جہادیوں کو ایک جوابی جہاد یا مسیحی لغت کے مطابق ایک بھیانک ترCrusade کی وعید بھی سنا دی تھی۔

اگرچہ اس کے بعد بش بر بنائے مصلحت اپنے اس بیان کی معنویت کے منکر ہو گئے لیکن انہوں نے اس موقع پر "اسلامی دہشت گردی" کی سرکوبی کے بارے میں جن بے باکانہ عزائم کا اظہار کیا تھا، وہ جیسا کہ عراق اور افغانستان کی موجودہ صورت حال سے بھی ظاہر ہوتا ہے ان کے شعور کی ایک سچی آواز تھی۔ علاوہ ازیں بش کا Crusader ہونا ان کے اس دعویٰ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ عراق پر فوج کشی کے احکامات ان پر براہ راست آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ لیکن منطقی اعتبار سے آسمانی رسل و رسائل کے

اس سلسلہ کی زمینی حقیقت شاید اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ ۱۹۹۱ء میں سویت یونین کے خاتمہ کے بعد سے ہی دنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت سے امریکہ کو عالمی بساطِ سیاست پر بے جوڑ پنجہ آزمائی کے لیے ایک نئے حریف کی تلاش تھی۔ روسی "سدِّ سکندری" کی شکست و ریخت کے بعد یہ فطری حریف، روس پر اپنی "فتح" کے نشہ سے سرشار اس کا پرانا جہادی حلیف افغانستان اور تیل کی دولت سے مالا مال عراق ہی ہو سکتے تھے۔ ادھر امریکہ کے سیاسی پنڈتوں نے بھی تہذیبی بنیادوں پر یہود و نصاریٰ کے مابین ایک فیصلہ کن جنگ کی پیشن گوئی کر کے بش انتظامیہ کو اپنے اس نئے غنیم یعنی غیر مشروط اطاعت شعاری سے گریزاں ہر مسلم ملک کے خلاف رزم آرا ہونے کا نظریاتی جواز بھی فراہم کر دیا ہے۔

"تہذیبی جنگ" کا نظریہ اصلاً ہارورڈ یونیورسٹی میں سیاسیات کے ایک پروفیسر سیموئیل فلپس ہنٹنگٹن Samuel Phillips Huntington کے ذہن رسا کی اختراع ہے، جنہوں نے سویت یونین کے خاتمہ کے بعد Clash of Civilizations کے عنوان سے امریکہ کے معروف علمی جریدہ Foreign Affairs کے لیے ایک مقالہ تحریر کیا تھا۔ بعد میں اسی مقالہ کو Clash of Civilizations and the Remaking of World Order (تہذیبی جنگ اور عالمی نظام کی تشکیل نو) کے نام سے کتابی شکل دے دی گئی تھی۔ مذکورہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے فاتح عالم کی حیثیت سے امریکہ کی قیادت میں موجودہ یک قطبی دنیا Unipolar World کے انتظام و انصرام کا ایک لائحۂ عمل یا ہدایت نامہ ہے جس کی امریکہ اور یورپ کے پالیسی ساز حلقوں میں زبردست پذیرائی دیکھنے میں آئی ہے۔

مثال کے طور پر رچرڈ نکسن کے دورِ صدارت کے شہرہ آفاق سیکریٹری آف اسٹیٹ ہنری کسنجر نے جو کسی زمانے میں خود بھی ہارورڈ میں سیاسیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں، ہنٹنگٹن کی اس

تصنیف کو "سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد منظر عام پر آنے والی ایک اہم ترین کتاب" قرار دیا ہے، جب کہ اسی منصب پر فائز رہنے والے ایک اور معروف سیاسی مبصر زبگنیو برزنسکی Zbigniew Burzynski کا تبصرہ ہے کہ " یہ تحریر ایک بڑا زرخیز علمی کارنامہ ہے جو بین الاقوامی امور کے ادراک و آگہی کے معاملہ میں انقلاب برپا کر دے گا۔"

تہذیبی جنگ کے نظریہ کو اختصار کے ساتھ اگر خود سیموئیل ہنٹنگٹن کی اصطلاحات میں بیان کیا جائے تو سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد کی دنیا اگر چہ اب دو قطبی نظام کا حامل سیاسی اکھاڑہ تو نہیں رہی ہے، لیکن اپنی موجودہ شکل میں اسے دو سو کے قریب ممالک کا ایک مجموعہ محض بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ یہ ممالک کوئی سات یا آٹھ جداگانہ تہذیبی اکائیوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں شمالی امریکہ اور یوروپی ممالک پر مشتمل مغربی تہذیب کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس دنیائے اسلام اور لاطینی امریکی ممالک اپنے درمیان کسی قابلِ لحاظ نمائندہ طاقت کی عدم موجودگی کے باعث اس تہذیبی سلسلے کی کم زور ترین کڑیاں ہیں۔ جہاں تک عالمی اسلامی برادری کا تعلق ہے وہ مغربی، ہندو، چینی، جاپانی اور افریقی تہذیبوں کے مقابلہ میں ایک یکسر مختلف مزاج کی حامل تہذیب ہے۔ ہنٹنگٹن کے تجزیہ کے مطابق مادی ترقی کے فقدان کے باوجود یہ تہذیب غیر مسلم دنیا پر اپنی برتری کے زعم میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے تشدد اس کی فطرت ثانیہ بن کر رہ گیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے پیش نظر مغربی دنیا کو اسلامی بنیاد پرستی کے بجائے اب اسلام سے ہی نمٹنے کی فکر کرنی چاہیے۔

بش انتظامیہ اور بحر اوقیانوس کے اِس پار اُن کے ٹونی بلیئر جیسے دیگر حواریوں نے افغانستان، عراق اور فلسطین میں جن حکمت عملیوں کا مظاہرہ کیا اس کے پیش نظر برزنسکی کی پیشین گوئی کے عین مطابق، ہنٹنگٹن کے تجویز کردہ عالمی نظام کی تشکیل نو کے اس فکر و فلسفہ کی "انقلاب آفرینی" سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں پنہاں تہذیبی جنگ کے تصور کو احمقانہ حد تک سہل بلکہ لچر سمجھنے والے مفکرین کی بھی کمی نہیں ہے اور آں جہانی ایڈورڈ سعید کی طرح اس نظریہ کا ہر ناقد عرب یا فلسطینی نژاد بھی نہیں کیوں کہ خود امریکہ اور یورپ کے علمی حلقوں میں ہنٹنگٹن کی اس کی کتاب کے حوالے سے بڑے تواتر کے ساتھ اس بات کی نشان دہی کی جاتی رہی ہے کہ برسر پیکار ہونے کے لیے متحارب قوموں کا جداگانہ تہذیبوں سے متعلق ہونا کلیۃً ضروری نہیں ہے، کیوں کہ گزشتہ صدی میں لڑی جانے والی دونوں عظیم جنگیں جن میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں لوگ کام آئے تھے، خود مغربی تہذیب کے اپنے داخلی انتشار کا شاخسانہ تھیں۔

مثلاً جاپان کے شاہ ہیرو ہوتو کے استثنا کے ساتھ روز ویلٹ، چرچل، اسٹالن، ہٹلر اور مسولینی جیسے دوسری جنگ کے تمام کلیدی کردار نہ صرف یورپی نژاد تھے بلکہ ان میں سے بیش تر کو اپنے کلیسائی ہونے پر بھی کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ اس اعتبار سے بیسویں صدی کی دونوں جنگیں مغربی تہذیب ہی نہیں بلکہ مسیحی دنیا Christendom کے اپنے اجزا و عناصر کا باہمی جنگ و جدال بھی تھیں۔

باعتبار تشخص اس مغربی اور مسیحی دنیا نے بظاہر آج اپنے بہت سے تضادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک زیادہ مربوط شکل اختیار کر لی ہے لیکن اس کے نتیجہ میں جو مغربی تہذیب سامنے آئی ہے وہ بھی ہمیشہ کی طرح عملاً ایک نسل پرستانہ racial تہذیب ہے۔ ہنٹنگٹن بھی اسی تہذیب کے مفادات کے ایک پر جوش، ترجمان ہیں جس کے واضح اشارے ان کی ایک حالیہ تصنیف "امریکہ کو درپیش عظیم بحث، ہم کون ہیں ؟" Americas Great Debate: Who Are we? سے بھی ملتے ہیں۔ یاد رہے کہ تہذیبی جنگ میں ہنٹنگٹن نے عالم اسلام کے ساتھ وسطی اور جنوبی امریکہ کی تہذیبی پس ماندگی کا بھی رونا رویا تھا۔ لیکن ہم کون ہیں... میں انہوں نے کھل کر امریکی تشخص میں لاطینی خلط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک ملک اور قوم کی حیثیت سے اسے ریاست ہائے متحدہ کے لیے خطرناک قرار دیا ہے۔ با الفاظ دیگر ہنٹنگٹن نہیں چاہتے کہ کثیر الثقافتی معاشرہ multi-culturalism کے فروغ کے نام پر بالخصوص میکسیکو کے باشندوں کو امریکہ نقل مکانی کی کھلی اجازت دی جائے۔ ان میکسیکن تارکین وطن کا جنہیں عرف عام میں امریکی براعظموں کے تمام رنگ دار قدیمی باشندوں کی طرح انڈین کہا جاتا ہے، قصور صرف اتنا ہے کہ ان کے آبا و اجداد قبل از تاریخی ادوار میں یورپ کے بجائے مشرق بعید سے نقل مکانی

کر کے سرزمین امریکہ پر وارد ہوئے تھے۔ عہد حاضر میں لاطینی امریکہ کے ان انڈین باشندوں نے کئی صدیاں اقوام یورپ کی غلامی میں بسر کی ہیں۔ لیکن اس دوران انہوں نے اپنے ہسپانوی حکمرانوں کی زبان اور کیتھولک مذہب کو تو ضرور اپنا لیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنی رنگت تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ لہٰذا شمالی امریکہ کے گورے نو آباد کاروں کی نگاہ میں انگریزی زبان سے نابلد غیر فصیح ہسپانوی بولنے والے یہ انسان نما دو پائے اپنی اس کم اصلی کی بنا پر امریکہ کے نسلی طور پر اعلیٰ وارفع معاشرہ میں ضم ہونے کی خلقی صلاحیت سے محروم ہیں اور اس جرم کی بنا پر ان کا بڑی تعداد میں امریکہ آنا اس ملک کے سیاسی آقاؤں کا مفاد نہیں ہو سکتا۔

اس نوعیت کی نسل پرستی دراصل شروع سے ہی انگریزی نژاد پروٹسنٹ امریکیوں کا، جنہیں White Anglo-Saxan Protestants یا اختصار کے ساتھ صرف WASP کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، شعار رہی ہے۔ اور یہ دنیا کی بد قسمتی ہے کہ گورے اینگلو سیکسن امریکیوں کا یہی طبقہ صیہونی مہاجنوں کی تائید سے اس وقت دنیا کا حکمراں بنا بیٹھا ہے۔ لیکن امریکی انتظامیہ کے یہودی رابطے ایک الگ کہانی ہیں۔ سر دست یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ہنٹنگٹن کے وسوسوں کے برخلاف مغربی دنیا اپنے مذہبی اور مسلکی نوعیت کے اندرونی تضادات کی بنا پر ایک مربوط تہذیبی اکائی کہلائے جانے کی بھی حق دار نہیں بن سکتی کیوں کہ انگریزی نژاد پروٹسنٹ اپنے کیتھولک ہم مذہبوں کے بارے میں بھی سیاسی اور معاشرتی سطح پر گوناگوں قسم کے ذہنی تحفظات رکھتے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پروٹسٹنٹ کلیسا کے کارپردازوں اور امریکہ کے روایت پسند سیاسی حلقوں نے آئرش الاصل جان کینیڈی کو بھی ۱۹۶۰ء کے صدارتی انتخاب میں امیدوار بننے کی اجازت صرف اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ وہ کامیابی کی صورت میں اپنے کیتھولک مسلک اور امریکی مفادات کے مابین تصادم کے کسی بھی امکان کے پیش نظر منصب صدارت سے فی الفور سبک دوش ہونے کو ترجیح دیں گے لیکن یہ بھی ایک الگ کہانی ہے۔ فی الوقت کہنا صرف یہ مقصود ہے کہ امریکہ کے گورے پروٹسٹنٹ حکمرانوں کا موجودہ ہدف رومن کیتھولک، لاطینی امریکہ اور فرانس، بدھسٹ جاپان اور چین یا ہندو ہندوستان کے بجائے صرف اسلامی دنیا ہے اور اس کی وجوہات مذہبی بھی ہیں اور معاشرتی بھی، سیاسی بھی ہیں اور اقتصادی بھی۔ ہنٹنگٹن نے تہذیبی جنگ کے نظریہ کو ضبطِ تحریر میں لا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان تمام نکتہ ہائے نگاہ سے شمالی امریکہ اور مغربی یورپ کے ہر روایتی تعصب اور مخاصمت کو ایک نئی زبان اور آہنگ بخشنے کی سعی کی ہے۔ لیکن اس سے یہ تاریخی حقیقت بہر حال تبدیل نہیں ہوتی کہ اس سقراطِ وقت کی طرف سے عالم اسلام کی جس تمدنی پس ماندگی کو بنیاد بنا کر مغربی تہذیب کی نمائندہ طاقتوں کو جہادی عناصر کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار رہنے کی حکمت تعلیم کی جا رہی ہے وہ خود مسلم ممالک پر مغربی استعماری قوتوں کی دو ڈھائی سو سال پر محیط حکمرانی کی دین ہے اور جہاں تہاں امریکی بالادستی کے خلاف سرگرم مذکورہ جہادی حلقوں کا وجود بھی اپنے اپنے ممالک اور قوموں کے خلاف مغربی دنیا کے اسی تاریخی جرم کا ایک فطری ردعمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی دنیا زمانۂ حال میں بھی اعتدال پسندی کے نام پر حامد کرزئی، سوہارتو، حبیب بورقیبہ، انور سادات اور حسنی مبارک جیسے اپنے عربی اور عجمی گماشتوں کو عالم اسلام پر مسلط کر کے اس کے لیے مزید سیاسی رسوائیوں اور اقتصادی زبوں حالی کا سامان پیدا کرتی رہی ہے۔ چناں چہ جہادی حلقے جو بجا طور سے اعتدال پسندی کے اس امریکی اور یورپی ایجنڈہ کو عالم اسلام کی بے لگام اور لایعنی مغرب کاری Westernisation سے تعبیر کرتے ہیں، آج جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی عمومی فہم و فراست کے مطابق بھی مسلم دنیا کی سیاسی، نظریاتی اور اقتصادی بقا کی جنگ ہے۔ امریکہ اور اس کے یورپی حواریوں نے جہادی حلقوں کی اس 'جسارتِ بیجا' کا جواب نہ صرف جہادی رضاکاروں بلکہ عورتوں اور بچوں سمیت عراقی، افغانی اور فلسطینی عوام کے یک طرفہ قتل عام کی شکل میں دیا ہے۔ ہنٹنگٹن جیسے حکمائے سیاست علمیت کی دبیز چادر ڈال کر عالم اسلام اور اقوام مشرق کے خلاف، جن میں کل تک بدھسٹ کوریا اور ویت نام بھی شامل تھے، مغربی تہذیب کے ان مکروہ جرائم اور عزائم کو دنیا کے اجتماعی ضمیر سے تا دیر پوشیدہ نہیں رکھ سکتے۔ چناں چہ تہذیبی جنگ کا نظریہ پیش کر کے انہوں نے جو کارنامہ سر انجام دیا ہے اسے علمی اعتبار سے مغرب کے سیاسی حلقوں میں خواہ کتنا ہی وقیع کیوں نہ گردانا جائے، اخلاقی اور واقعاتی اعتبار سے اس کی حقیقت صاف ظاہر ہے۔

آئینۂ وطن

فرقہ وارانہ تشدد قانون بل یا مسلمانوں کی نسل کشی کی سازش

رہبر مصباحی

یہ بالکل درست ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات نے ہندوستان کی کمر توڑکر رکھ دی ہے، اسے معاشی واقتصادی اعتبار سے کافی نقصان پہونچایا ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ جب تک کسی بھی ملک سے فرقہ پرستی کا خاتمہ نہیں ہوتا اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا ہموار نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہاں امن وآشتی کا تصور بھی ناممکن ہے۔ لہذا انسداد فسادات کے لیے مضبوط لائحہ عمل تیار کیا جانا لازمی ہے تاکہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رہ سکے اوراس کی ترقی کی رفتار میں سرعت آسکے مگر کسی خاص فرقے کو نظر میں رکھ کر اس طرح کے کسی بھی قانون کا وضع کیا جانا نہ صرف یہ کہ اس آگ میں گھی ڈالنے کے مترادف ہوگا بلکہ لائق صد مذمت بھی ہے۔

یہ ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک وہ جمہوریت کی شاہراہ پر گامزن ہونے میں کامیاب نہ ہوسکا اور آج بھی یہاں زندگی گزارنے والے عدم مساوات وتعصب وعناد کے شکار ہیں خصوصا آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ تعصب وعناد کا جو سلوک ناروا کیا جارہا ہے اس نے ان کی حالت دلتوں سے بھی بدتر کر کے رکھ دی ہے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان فرقہ وارنہ فسادات نے پہنچایا ہے نہ صرف جان واولاد بلکہ اربوں کی املاک تباہ وبرباد کردی گئیں مگر انصاف کے نام پر اسے صرف صبر اور وقت کا مرہم مل سکا اور بس...... آزاد ہندوستان کی یہ ایک تلخ حقیقت ہے جسے گلے سے اتارنا ہی پڑے گا۔

نہ جانے انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر ہندوستان کی تقدیر لکھنے والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کوئی بھی قانون وضع کرتے وقت خود کو ذات پات اور مذہب کے حصار سے باہر نہیں نکال پاتے ہیں جبکہ انہیں اس کا بات کا خوب احساس ہے کہ ہمارا یہ رویہ ملک کے مستقبل کو تابناک بنانے کے بجائے اسے مزید تاریکی کے سمندر میں ڈھکیل سکتا ہے۔

ہم بات کر رہے ہیں ملوکا، گجوکا، ٹاڈا، پوٹا اور خواتین ریزرویشن بل کے بعد فرقہ وارانہ تشدد روک تھام بل کی، مذکورہ جتنے قانون بنائے گئے ہیں ان کی زد میں ایک مخصوص فرقہ اس طرح آگیا ہے جیسا کہ یہ قانون صرف اسی کو نشانہ بنا کر وضع کیا گیا ہو۔ ملوکا، گجوکا، ٹاڈا، پوٹا یہ قانون اس لئے بنائے گئے تھے کہ ان کے ذریعہ ملک سے دہشت گردانہ سرگرمیوں کا جنازہ نکالا جاسکے، سوئے قسمت اسی کو بیساکھی بنا کر قانون کے رکھوالوں نے اس طرح کا کھیل کھیلا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی شبیہ اوراس کے مذہب پر ہی سوالیہ نشان لگ گیا۔ آج مسلمانوں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو جس طرح سے قانون کے محافظوں کے ذریعہ اغوا کر کے زبردستی دہشت گرد بنا کر سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلنے کا سلسلہ چل پڑا ہے اسکی روشنی میں تو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اب ہندوستان سے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے یا پھر ان کی حیثیت کو کالعدم ثابت کرنے کی ایک مہم چھڑ چکی ہے، جس کی سرپرستی خود حکومت کر رہی ہے۔

اگر آپ خواتین ریزرویشن بل کا پس منظر ملاحظہ کریں تو آپ کو اس سبز باغ کے پس پردہ بھی مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو صفر بنانے کی ایک کامیاب سازش کارفرما نظر آئے گی۔ اوراب اس کے بعد فرقہ وارانہ تشدد روک تھام بل کی باری ہے۔ یہ بل ملک میں برپا ہونے والے دو مختلف فرقوں کے مابین تصادم پر قابو پانے کے لئے تیار کیا گیا ہے، مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم کے بقول "ملک کے نظام سیاست کے سیکولر کردار کو برقرار رکھنے اور اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنانے اور قانون کی نگاہ میں ان کی برابری کے لئے یہ قانون وجود میں لایا گیا ہے" جبکہ بل کے مسودے اس کے برعکس کہانی بیان کر رہے ہیں۔

کیوں کہ اس بل میں ایسی خطرناک شقیں ہے جن کی رو سے فرقہ پرست ذہنیت کے حامل افراد و پولس کو اقلیتوں کے خون سے ہولی کھیلنے ان کی بہو بیٹیوں کی عزت کو مٹی میں ملانے کا قانونی جواز فراہم ہو جائے گا اوراس کے بدلے میں انہیں سزا نہیں جزا ملے گی۔ یہی ان کے خلاف کسی طرح کی کوئی بازپرس نہیں کی جاسکتی ہے۔

اس بل کی رو سے فساد پر قابو پانے کے لیے پولس وانتظامیہ اپنے اختیار سے کوئی قدم اٹھا سکتی ہے یہاں تک کہ وہ سرعام کسی کو بھی اپنی بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنا سکتی ہے، اس کے رول پر نہ تو کسی کو انگلی اٹھانے کی اجازت ہوگی اور نہ اس کے خلاف ایف آئی آر درج کیا جاسکتا ہے۔ فسادات سے متعلق انتظامیہ سمیت ریاستی حکومت پر بھی کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس سلسلے میں اس سے کسی طرح کی بازپرس کی جاسکتی ہے۔ موجودہ بل میں فرقہ وارانہ فساد کو دو فرقوں کے مابین برپا ہونے والا تصادم کہا گیا ہے، جس کی ذمہ داری نہ تو انتظامیہ پر عائد کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ریاستی سرکار پر۔

کالم نگار یو.این.این دہلی

یہی نہیں ایسے ماحول میں ہونے والی منظم عصمت ریزی کو بھی جنسی تشدد کے دائرے سے خارج کردیا گیا، فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر متاثرہ خواتین کو عصمت دری قانون کے تحت انصاف مانگنے کا حق بھی نہیں ہوگا یعنی اس موقع پر رونما ہونے والے عصمت دری کو انڈین پینل کوڈ کے تحت معاملہ درج کرانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

اب آپ ذرا ملک میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں انسداد فساد پولس وانتظامیہ کے کردار اوراس موقع پر منصوبہ بند طریقے سے کی جانے والی عصمت ریزی کی داستان کو تصور میں لایئے۔ پھر اس بل کا تجزیہ کیجئے تو یقینا آپ اس بل کو مسلمانوں کی نسل کشی کا بل کہنے میں ہماری طرف داری کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیا قانون وضع کرنے والے میرٹھ کے ہاشم پورہ، بہار کے بھاگل پور وسیتا مڑھی، اور گجرات اور سکھ فسادات میں پولس کی مبینہ رول سے بے خبر ہیں۔ اس نئے قانون کی روشنی میں ہم یہ قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں اس میں مظلوم کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے گئے اور ظالم کو ہتھیار تھما کر کھلی چوٹ دیدی گئی ہے۔ یعنی اس بل کے بعد گلبرگ سوسائٹی قتل عام میں مودی اور وہاں کی انتظامیہ سے تحقیقاتی ایجنسیوں کو پوچھ تاچھ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

کمیونل وائلنس بل کے مسودہ کو پارلیمنٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا پھر اسے قومی اقلیتی کمیشن اور دیگر اداروں کو سونپا گیا ان اداروں نے جو ترمیم کی ہے اس نے اسے مزید زہر آلود بنادیا ہے۔

واضح رہے کہ اس بل کو کابینہ کی منظوری حاصل ہو چکی ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم کی توقع کے مطابق اس سال کے اخیر تک یہ مسودہ قانون کا روپ دھار لے گا۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ اس بل میں اقلیتی کمیشن کے ذمہ داران کی نگاہ ان خطرناک شقوں پر کیوں کر نہیں پڑی یا پھر حرص وہوس نے ان کی آنکھوں پر دولت کا حجاب ڈال دیا تھا۔

اس بل کی منظوری کے بعد فرقہ پرست عناصر کی چاندی ہو جائے گی کیوں کہ یہ بل ان کے منشا کے عین مطابق ہے۔ اب وہ بے خوف ہوکر قانون کے سائے میں مسلمانوں کے لہو سے ہولی کھیل سکیں گے اوران کی بہو بیٹیوں کی ردائے عصمت تار تار کر سکیں گے۔ شیوسینا، راشٹریہ رام سیوک، رام سینا، سنگھ پریوار، مودی سینا، وغیرہ کی تو یہی دلی خواہش رہی ہے جس کو یہ بل پورا کردے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے کیوں کہ قومی اقلیتی کمیشن اور کابینہ کی منظوری کے بعد اس بل کو قانون کا لبادہ اوڑھنے سے روکنا اگرچہ ناممکن ہے مگر محال نہیں اس لئے رہنمایان قوم مسلم کو خدا کے واسطے متحدہ ہوکر موثر اقدام کرنے کی فوری ضرورت ہے اگر وہ ذرا برابر بھی یہاں چوک کرتے ہیں تو پھر انہیں اپنی حرمت وعصمت کی تباہی وبربادی کا تماشہ دیکھنے کے لئے ابھی سے تیار ہو جانا چاہیے۔ ☆☆☆

(ص:۴۰ کا بقیہ)........

سیاحت گلشن یا سیر خارداروادی" [جنت یا دوزخ کی سیر۔] کو روانہ کر دیتے ہیں)۔ اسی طرح "امتیازی حسن وکشش" بھی باعث آزاری ثابت ہوتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے اُسے زمین کی جنت بنایا ہے تو اب اسکی خوبصورتی ہی اسکی آزاری کا باعث ثابت ہورہی ہے۔ ہم جن مناظر کو دیکھنے کی خواہش وتصور لئے ہوتے ہیں کہ سورج ڈھلتے شام کے وقت ہلکی خنکی میں "نمونۂ جنت" کا نظارہ کریں گے تو کیسا مبارک سماں ہوگا ......؟؟؟ یہاں وہ سب کچھ ہے۔ بہشت نظیر وادیاں، گل بداماں چمنستان، سیب کے خوبصورت باغات، بادام واخروٹ کے جاذب نظر بوستاں، سرسبزوشاداب گلستاں، کلیوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، پرندوں کی چہک، ہواؤں کی نغمہ سنجی، جھومتے درختوں کی مستانگی، آبشاروں کی جھرجھراہٹ، نسیم وشمیم کی تسبیح خوانی، برف پوش پہاڑیوں کا دلکش منظر، تاریخی دریائے سندھ کی روانی اوراولین اسلامی قافلے کے اَن مٹ نقوش جنہیں دیکھ کر ہر مومن دل کی بینا آنکھوں کے سامنے تصور مدینہ اور جنت حقیقی ہوتا ہے اور جنت کے نادیدہ مقامات ومحلات کا نادیدہ تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ وہ یہی سوچتا ہے کہ جب زمین کا یہ ٹکڑا اتنا خوبصورت ہے تو اس مقدس سرزمین کی خوبصورتی، حسن، جاذبیت اور کشش کا عالم کیا ہوگا جس کے متعلق خود اس جنت نشاں کشمیر کے خالق ومالک اللہ عزوجل نے زبانِ "وماینطق عن الهوىٰ ان هو الاوحی یوحیٰ" (ترجمہ: یہ رسول وہی کہتے ہیں جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔) کے ذریعے یہ اعلان کروادیا ہے:

"مابین منبری وقبری روضةمن ریاض الجنة" میری قبراور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ تبھی تو شاعر کہتا ہے:

جی تو لگتا ہی نہیں اب وادیٔ کشمیر میں
یا الٰہی لکھ دے طیبہ کا سفر تقدیر میں

حجاز مقدس کے بعد دنیا کی سب سے خوبصورت جگہ کشمیر ہے مگر کشمیر کی یہ خوبصورتی ہی اس کے لئے باعث پریشانی ثابت ہورہی ہے۔ سب کی حریص نگاہیں اس جنت نشاں پہ ٹکی ہوئی ہیں اور دشمن طاقتیں اسے بدنام کرنے کی جی توڑ کوششیں کررہی ہیں۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود کشمیر کے حالات اس طرح نہیں رہتے ہیں جس طرح کشمیر کے باہر خبریں گشت کرتی رہتی ہیں۔ یہاں بھی امن وسکون ہی رہتا ہے البتہ کبھی کبھی حالات قدرے خراب ہو جاتے ہیں مگر وہ بھی محدود پیمانے پر اور صرف سری نگر کے کچھ علاقوں تک ہی محدود رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اردو ادب کے فروغ میں دینی صحافت کا کردار

"**بزمِ دانش**" میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اگست ۲۰۱۰ء کا عنوان　　مسلم خواتین اور سیاسی قیادت

ستمبر ۲۰۱۰ء کا عنوان　　مصارف زکوٰۃ اور ہماری ذمہ داریاں

اگر اردو میں دینی صحافت کا رجحان نہ ہوتا تو اردو صحافت کا جنازہ اٹھ چکا ہوتا

از: ڈاکٹر افضل مصباحی، ایسو سی ایٹ ایڈیٹر، روز نامہ ہمارا سماج دہلی

اردو ادب کے فروغ میں "دینی صحافت" کے کردار کے تعین کے لیے سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ آخر "دینی صحافت" کیا ہے؟ "دینی صحافت" کو اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ "دینی رسائل و جرائد خواہ مدارس کے ذمہ داران شائع کرتے ہوں یا پھر کوئی اشاعتی ادارہ یا فرد شائع کرتا ہو انہیں تو شامل ہے ہی ان کے علاوہ دنیا کے کونے کونے میں شائع ہونے والے بیش تر اردو اخبارات میں دینیات کے کالم مخصوص ہوتے ہیں، کچھ اخبارات تو "جمعہ ایڈیشن" کے نام سے اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہر ہفتہ ضمیمہ بھی شائع کرتے ہیں، اردو کے عام رسائل و جرائد میں بھی اس موضوع پر وافر مواد شائع کیا جاتا ہے۔ ہفت روزہ اخبارات میں بھی کئی صفحات اسلامیات کے لیے مختص ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ رسائل جن میں زیادہ تر تفریحی مواد ہوتے ہیں ان میں بھی کچھ کالم اسلامیات پر ہوتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو صحافت کی دنیا میں کام کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ اردو پڑھنے والوں کی بہت بڑی تعداد مذہب اسلام سے وابستہ لوگوں کی ہے، اس لیے یہ ان کی مجبوری ہے، ورنہ ایسے قارئین اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوں گے۔ ایسے میں ماننا ہو گا کہ دینی صحافت مروجہ اردو صحافت کا جزو لاینفک ہے۔ اس لیے اگر اردو ادب سے منسلک ناقدین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اردو ادب کے فروغ میں اردو صحافت کا کردار ہے، تو بلا کسی تردد کے یہ ماننا ہو گا کہ اردو ادب کے فروغ میں "دینی صحافت" کا اتنا ہی بڑا کردار ہے جتنا کہ عام اردو صحافت کا۔ میں نے "دینی صحافت" کے مقابل "غیر دینی صحافت" کا استعمال جان بوجھ کر نہیں کیا، اس لیے کہ "دینی صحافت" کے مقابل غیر دینی صحافت کا استعمال ایک طویل بحث کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ میرے خیال میں سماجی اصلاح کے لیے جو صحافت کی جائے وہ بھی دینی صحافت ہے، سیاسی اصلاح کے مقصد سے جو صحافت کی جاتی ہے وہ بھی دینی صحافت ہے، قتل، غارت گری، بد عنوانی، فسادات، حرام خوری، شراب نوشی، عصمت دری، زناکاری کسی بھی طبقہ پر ظلم و ستم یہاں تک کہ عوامی بیداری کے لیے جو صحافت کی جائے وہ بھی دینی صحافت ہے۔ جس صحافت میں اسلامی تعلیمات کی جھلک ہو خواہ اس میں آیات قرآنیہ یا احادیث کا صراحتاً ذکر ہو یا نہ ہو وہ سب دینی صحافت ہے۔ صحافت کا ایک اہم مقصد سماج کی اصلاح بھی ہے اور دین کا بھی اصل مقصد سماج کی اصلاح اور زندگی گزارنے کا بہتر طریقہ ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے اور اسی تعلیم کو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے عام

Email: afzalmisbahi@gmail.com

کرنے کا نام صحافت ہے۔ اس کے لیے اردو کا سہارا لیا گیا تو اردو صحافت ہے، انگریزی کا سہارا لیا تو انگریزی صحافت ہے، جس زبان کا سہارا لیا جائے گا اس زبان کی صحافت ہو جائے گی۔ زبان تو صرف واسطہ اور ذریعہ ہے، مقصد تو وہ پیغام ہے جسے عام کیا جاتا ہے۔ ذرائع کی تبدیلی سے اصل مقصد کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، اس لیے اردو ادب کے فروغ میں دینی صحافت کے کردار کے تعین کے لیے سب سے پہلے لازم ہے کہ اردو ادب کے فروغ میں اردو صحافت کے کردار کو متعین کیا جائے۔ اگر اس کی تعیین ہو جاتی ہے تو اپنے آپ دینی صحافت کے کردار کی بھی تعیین ہو جائے گی۔ اس پہلو پر میں اس لیے زور دے رہا ہوں کہ اردو ادب کے ایک حلقہ کا ماننا ہے کہ ادب اور صحافت ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ حالاں کہ اکثریت کا ماننا ہے کہ ادب کے فروغ میں صحافت کا بڑا کردار ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ اردو صحافت سے اردو زبان کی روح ختم ہوتی جا رہی ہے اور "اصل اردو زبان" آہستہ آہستہ عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی بات میں دم ہے، اس لیے کہ آج اردو صحافت سے جو صحافی وابستہ ہیں ان میں سے ایک بڑی تعداد کا نہ تو اردو ادب سے رشتہ ہے اور نہ ہی زبان پر ان کی گرفت ہے، بلکہ بسا اوقات ایسی ایسی فحش (فاش نہیں) غلطیاں اخبارات کے دفتر میں کام کرنے والے کرتے ہیں کہ ایک پڑھا لکھا انسان دانت سے انگلی کاٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس کی ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہوں گا۔ روز نامہ "راشٹریہ سہارا" میں کام کے ابتدائی زمانے میں ایک صاحب اپنی تحریر میرے پاس اصلاح کے لیے لے کر آئے۔ انہوں نے "پرہیز" کو "پ ر ح ی ض" لکھ رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر پہلے تو مجھے کافی حیرانی ہوئی، پھر میں نے اپنے ساتھیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو یہ سن کر وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ایسے افراد جب اخبار کے دفتر میں کام کریں گے تو زبان کا کباڑا ہونا لازمی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ اخبارات کے دفاتر میں کام کرنے والے سارے صحافی ایسے ہی ہیں بلکہ صلاحیت مند لوگوں کی بھی کمی نہیں۔ البتہ اب اس میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایسے بھیانک دور میں مدرسہ بیک گراونڈ سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کی زبان پر اچھی پکڑ ہے جو ایک خوش آئند پہلو ہے۔ تمام اردو اخبارات میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ہیں بلکہ آہستہ آہستہ ان کی تعداد میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ اس لیے جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ اخبارات سے اردو زبان پر غلط اثر پڑ رہا ہے ان کی بات میں بھی کسی حد تک دم ہے۔ اس بنیاد پر کچھ لوگ ادب اور صحافت دونوں کو الگ الگ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

میرا ماننا ہے کہ ادب اور صحافت کا گہرا رشتہ ہے۔ ادب کے فروغ میں صحافت کا کلیدی کردار ہے۔ البتہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر صحافی ادیب ہو یا ہر ادیب صحافی ہو، بلکہ ایک صحافی اچھا ادیب بھی ہو سکتا ہے اور ایک ادیب اچھا صحافی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی سیکڑوں مثالیں اردو ادب اور صحافت میں موجود ہیں۔ مجموعی طور پر یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ اردو ادب کے فروغ میں اردو صحافت کا رول ہے تو یقینی طور پر یہ بھی ماننا ہو گا کہ اردو ادب کے فروغ میں دینی صحافت کا بھی بڑا رول ہے، البتہ دینی صحافت کو اردو صحافت سے الگ کر کے دیکھنا غیر مناسب ہے اور جو لوگ یہ نہیں مانتے کہ اردو ادب کے فروغ میں دینی صحافت کا رول ہے ایسے لوگوں کو یہ بھی ماننا ہو گا کہ اردو ادب کے فروغ میں اردو صحافت کا کوئی کردار نہیں اس کے لیے انہیں دلائل کی روشنی میں بحث کرنی ہو گی۔ اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ اردو دنیا کا ایک بہت بڑا طبقہ یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اگر مدارس نہ ہوتے تو اردو کا جنازہ اٹھ چکا ہوتا، اس تناظر میں میرا ماننا یہ ہے کہ اگر اردو میں دینی صحافت کا رجحان نہ ہوتا تو اردو صحافت کا جنازہ اٹھ چکا ہوتا اور جب اردو صحافت کا یہ حال ہوتا تو بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے اردو ادب کتنا متاثر ہوتا۔ اسی سے دینی صحافت کی اہمیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دینی صحافت نے اردو زبان و ادب کو نئی جہتوں سے آشنا کرایا

از: مہتاب پیامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور Payamee@gmail.com

صحافت ریاست کا چوتھا ستون ہے۔ پہلا ستون مقننہ ہے جس کا کام قانون سازی ہے۔ دوسرا ستون انتظامیہ ہے جس کا کام قانون پر

عمل درآمد کرواتا ہے۔ تیسرا ستون عدلیہ ہے جس کا کام ان لوگوں کے خلاف کارروائی عمل میں لانا ہے جو قانون پر عمل نہیں کرتے یا قانون توڑتے ہیں اور چوتھا ستون صحافت ہے جو آئینے کی مانند ہے جب کہ صحافی معاشرے کی آنکھ ہوتا ہے جو اسے نظر آتا ہے وہ آئینے میں دوسروں کو دکھاتا ہے۔ اس لیے صحافی معاشرے کا ایک اہم کردار ہے۔ ایک اخبار نہ صرف علاقے کے مسائل کو اجاگر کرتا ہے بلکہ لوگوں کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سوچ کو بدلنے اور ان کے کردار کی تشکیل میں میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں صحافت کا استعمال انتہائی محتاط انداز اور ذمہ داری سے کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

شاعروں کی طرح صحافی بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے سورہ الشعراء میں چلے جایئے وہاں آپ کو تفریق ملے گی کہ اس میں شعرا دو قسم کے ہیں ایک جذبات بھڑکانے والے اور دوسرے اصلاح کرنے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے والے ایک گروہ کی تعریف کی گئی ہے، دوسرے کی مذمت اب حدیث پر آجایئے تو آپ دیکھیں گے کہ حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ عہدِ جاہلی کے تمام شعرا امراؤ بن قیس کی قیادت میں جہنم میں ڈھکیل دیئے جائیں گے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ جواب سیدھا سا ہے کہ ان کی پوری شاعری سوائے ذاتی، یا خاندانی افتخار اور خواتین کے حسن وعشق کی داستانوں کے، کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس کچھ شعرا کو حضور (ﷺ) نے خود سراہا اور اپنے منبر پر بٹھا کر ان کی شاعری کو سننے کا اعزاز بخشا، اور ان کو کفار کی شاعری کا جواب دینے کے لیے حکم دیا ان میں سرفہرست حضرت حسان بن ثابت تھے۔

وہ کوڈ آف کنڈکٹ جو کہ عام مسلمانوں کو دیا گیا وہ یہاں بھی لاگو ہوتا ہے اس لیے ہم اسلامی صحافت کی بات کر رہے ہیں۔ اب آجایئے سورۃ الحجرات میں۔ وہاں پہلا حکم یہ ملتا ہے کہ بغیر تحقیق کے کوئی بات نہ پھیلائی جائے۔ اور نہ کسی کے خلاف برا گمان کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ فرما کر بالکل ہی یہ راستہ بند کر دیا گیا کہ بعض گمان کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔

اب آیئے دیکھتے ہیں اردو ادب کے فروغ میں دینی صحافت کا کیا کردار رہا ہے، پروفیسر خواجہ اکرام صاحب اپنے بلاگ پر رقم طراز ہیں:

"جب ہم اردو میں صحافت کے آغاز وارتقا کی بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روزناموں کے مقابلے میں رسائل وجرائد نے زیادہ اثرات مرتب کیے ہیں۔ بلکہ اردو صحافت میں یہ رسائل وجرائد سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اردو میں ۱۸۵۷ء سے قبل نثر، داستانوں کی دنیا کی سیر کر رہی تھی۔ اس کے ذخیرے میں طلسماتی فضا کے علاوہ زندگی کے حقائق اور ہم عصر مسائل عنقا تھے۔ لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ اسی عہد میں نثر نے بلندیوں کا سفر بھی طے کیا۔ یہی وہ عہد ہے جس میں نثر کا دامن رنگا رنگ اسالیب سے بھر گیا۔ ایک طرف غالب نے نثر کو براہِ راست تخاطب اور سادگی کا جوہر عطا کیا تو دوسری جانب سر سید احمد خان نے اردو نثر کو سائنسی اور تکنیکی اظہار کا ذریعہ بنایا۔

اردو میں مجلاتی صحافت کا ارتقا یہیں سے ہوتا ہے۔ سر سید احمد خان نے پہلی دفعہ صحافت کی اہمیت کو بھانپ کر "تہذیب الاخلاق" جیسے ادبی، تہذیبی اور تعلیمی رسالے کا آغاز کیا۔ اس رسالے نے اردو قارئین کو پہلی دفعہ یہ بتایا کہ نثر کی طلسماتی فضا کے علاوہ بھی اور رنگ ہیں اور ایسے رنگ ہیں جن میں زندگی کی تصویروں کو بے حجاب دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وہ نقطۂ آغاز تھا جس سے بعد نثر میں تنوع پیدا ہوتی ہے اور صحافت کے ذریعے ادب کا رشتہ زندگی سے استوار ہوتا ہے۔ مجلاتی صحافت میں اگر ابتدائی عہد کی بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اولاً ادب اور صحافت میں کوئی حد فاصل نہیں تھا بلکہ ادب کے ساتھ ہی صحافت کا نام لیا جاتا تھا۔ مگر موجودہ عہد میں صحافت اور ادب کی سرحدیں جداگانہ ہی نہیں ان میں ایک واضح اور نمایاں فرق ہے۔ آج ادب کچھ اور ہے۔ اور صحافت بالکل ہی الگ صنف اور شعبے کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔"

البتہ اپنے ابتدائی دنوں میں اردو صحافت نے، جسے ہم بلاشبہ دینی صحافت کا نام دے سکتے ہیں، اردو زبان وادب کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کیا، جس کا اعتراف تو کجا آج اس کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ اردو صحافت، بنگلہ صحافت کے بعد ہندوستان کی قدیم ترین صحافت ہے، ہندی، مراٹھی، گجراتی یہاں تک کہ کی انگریزی صحافت کا بھی اس کے بعد آغاز ہوا، اردو کی اس صحافت نے ۱۹ ویں صدی کے عہد ساز رجحانات کے فروغ میں جو تاریخی کردار ادا کیا، اس کا تو عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے لیکن زبان وادب کی تشکیل وترقی میں جو حصہ لیا اس کو فراموش کر دیا گیا ہے، ۱۸۲۲ء میں "جامِ جہاں نما" اردو کا پہلا مطبوعہ اخبار تھا جو کلکتہ سے شائع ہوا اردو صحافت کے اس باقاعدہ آغاز سے

پہلے صرف دہلی سے بارہ ایسے قلمی اخبارات سپرد ڈاک کیے جاتے تھے، جن کا مقصد انگریزوں کے اقتدار کے خلاف عوام میں بیداری لانا اور ان کے دل میں قومی جذبات کو پروان چڑھانا تھا، مذکورہ اخباروں کے وقائع نگاروں میں بڑی تعداد علمائے کرام کی تھی۔ اس لیے لارڈ آک لینڈ اور لارڈ کیننگ کو کہنا پڑا کہ "قلمی اخبارات نے عوام میں انگریزوں کے خلاف جذبات بھڑکا کر ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی راہ ہموار کی ہے" ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل کونسل کے رکن میکالے نے تو صحافت پر اپنے نوٹ میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ "عام لوگوں میں دیسی زبانوں کی مطبوعہ صحافت کا اتنا اثر نہیں، جتنا قلمی صحافت کا ہے، پیشہ ور وقائع نگاروں کے مرتب کیے ہوئے بے شمار اخبار ہندوستان میں نکلتے ہیں، ہر کچہری، ہر دربار کے باہر وقائع نگار منڈلاتے رہتے ہیں، صرف دہلی سے ہر روز ۲۱۰ قلمی اخبار بذریعہ ڈاک باہر بھیجے جاتے ہیں۔" مشہور محقق شانتی رنجن بھٹاچاریہ کے مطابق ۱۹ ویں صدی میں یعنی ۱۸۲۲ء سے ۱۸۹۹ء تک کم وبیش پانچ سو اخبار ورسائل ہندوستان کے کونے کونے سے منظر عام پر آئے۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ اخبارات نے جہاں عوام میں سیاسی شعور کی تخم ریزی کر کے جذبۂ حریت کو پروان چڑھایا، اپنے قارئین کو جدید فکر اور علوم سے آشنا کیا، وہیں اردو زبان وادب کی تشکیل میں غیر معمولی خدمت انجام دی بالخصوص فارسی آمیز مقفع ومسجع عبارت اور بوجھل الفاظ سے اردو زبان کا پیچھا چھڑا کر، عوامی زبان بنانے میں ایک اہم کردار نبھایا، جس کے نتیجہ میں اردو زبان برق رفتاری سے ایک ترقی یافتہ زبان کے سانچے میں ڈھلتی گئی، لیکن اردو صحافت (جسے دوسرے لفظوں میں ہم دینی صحافت بھی کہہ سکتے ہیں) کے اس کردار کو عام طور پر نظر انداز کیا گیا، مورخ وناقد بھی اس سچائی کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے کہ اردو اخبار ورسائل نے اپنی زبان کو بولی سے زبان تک کے سفر میں گراں قدر حصہ لیا، اس میں سیکڑوں نہیں ہزاروں نئے الفاظ اور محاوروں کا اضافہ کیا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اسی طرح یہ دعویٰ کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان کو عام فہم لیکن معیاری بنانے، اسے سنوارنے اور سجانے میں اردو صحافیوں کا قابل قدر حصہ ہے، "خطوط غالب" تو اردو نثر کو سلاست وبزلہ سنجی کا پیرہن عطا کرنے کی ایک انفرادی سعی تھی، جس کے محرکات کا جائزہ لیا جائے تو ممکن ہے کہ اس عہد کے اردو اخبارات کا پرتو اس میں نظر آجائے، بعد میں مولوی محمد باقر اور مولانا محمد حسین آزاد نے صحافت کے وسیلے سے اپنے اور دوسروں کے نظریات کی اشاعت کر کے اردو زبان وادب اور تحقیق کے ساتھ ساتھ سیاست کی قندیلیں بھی روشن کیں، اسی طرح مولانا حسرت موہانی کی شگفتہ بیانی، مولانا ظفر علی خاں کی پرجوش تحریریں ہوں یا مولانا محمد علی جوہر کے شذرات، انہوں نے صحافت کے وسیلہ سے اردو کے نثری خزانے میں بے پایاں اضافہ کیا ہے، اردو کے فکاہیہ وطنزیہ ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس کا نوے فیصد حصہ صحافت کا عطیہ ملے گا، اگر اردو کے اخبارات ورسائل نہیں ہوتے تو بہت سی اصنافِ ادب کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

اردو صحافت نے زبان وادب کے فروغ کے ساتھ سیاسی وسماجی تحریکات کی ہی آبیاری نہیں کی، ادبی ولسانی معرکوں کو سرانجام دے کر اپنی زبان کا ہر نازک مرحلہ میں دفاع بھی کیا، خصوصیت سے اردو پر کسی سمت سے حملہ ہوا تو تمام اخبارات اور ان کے صحافیوں نے دل سوزی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اسی طرح اپنی زبان کے حقوق ومفادات کے لیے جدوجہد ہو یا علاقائی طور پر اردو کو دوسری زبان بنانے کے مطالبہ کے لیے آواز بلند کرنا، تمام اخبارات اس میں شریک رہے، اردو اخبارات کی جغرافیائی حیثیت بھی کافی وسیع ہے، وہ شمال میں کلکتہ سے سری نگر تک اور دہلی سے ممبئی حیدرآباد اور بنگلور تک ہر بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں اور آج بھی زبان پر اپنے اثرات ڈال رہے ہیں، ملک کی گیارہ اہم ریاستوں سے شائع ہونے والے یہ اخبارات ورسائل آج اردو دنیا کی ایک موثر طاقت ہیں، ان روزناموں یا ہفتہ روزہ اخباروں اور ماہناموں کی بڑی تعداد معیاری ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے لیے ان کی کدوکاوش جاری ہے۔

گوشۂ ادب

شہر بندہ نواز علیہ الرحمۃ والرضوان

گل و برگ سے جنت نشاں تک

جاوید احمد عنبر مصباحی

شہر گل و برگ (گلبرگہ) دکن کا ایک مشہور مقام ہے جہاں تقریبا چھ سات صدیوں سے خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمۃ والرضوان آرام فرما ہیں۔ مزار پرانوار پہ عقیدت کیشوں کی بھیڑ (Crowd) ہمہ وقت امنڈتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپ وہاں جس لمحے یا جس پہر جائیں آپ کوزائرین کی اچھی خاصی تعداد مزار مقدس کے اردگرد بارگاہ ایزدی میں بوسیلۂ بندہ نواز "سوالی صورت مجسمہ" نظر آئے گی۔ اور کیوں نہ ہو کہ دکن و کرناٹک کے علاقوں میں اسلام ان کے صوفیانہ طرز عمل اور جد و جہد سے پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے عملی کے ہزاروں سیلاب کے باوجود وہاں اسلامی ماحول کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے۔ وہاں کے لوگ کسی برے کام پر خواہ کتنا ہی عزم مصمم کیوں نہ کر چکے ہوں اگر آپ انہیں بندہ نواز علیہ الرحمۃ کا واسطہ دے کر منع کر دیں تو پھر انہیں جرأت انکار نہ ہوگی۔

شہر گلبرگہ آزادی کے کئی سال بعد تک ریاست دکن کے شہنشاہ عثمان کی زیر حکومت رہا۔ جب ہندوستان آزاد ہو گیا تو ہندوستانی حکومت نے بزور شمشیر اس آزاد ریاست کو بھی ہندوستانی وفاق میں شامل کر لیا۔ دکن کے کچھ علاقوں کو کرناٹک میں شامل کر دیا اور بقیہ کو آندھرا پردیش کا نام دے کر اس کی راجدھانی حیدرآباد کو برقرار رکھا۔ جس کے گورنر کے عہدے پر شہنشاہ عثمان کو نامزد کیا۔ آج بھی وہاں اردو کا چلن اتر بھارتی ریاستوں سے اچھی حالت میں ہے اور تقریبا وہاں کے ۷۵ فیصد سے زیادہ مسلم افراد اردو پڑھنا اور لکھنا جانتے ہیں جبکہ ۵ فیصد کے قریب غیر مسلم بھی اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ اکثر دوکانوں پہ اردو میں لکھے بورڈ آویزاں نظر آئیں گے۔ دکن کی اردو کو آپ فارسیت اور عربیت زدہ کہہ سکتے ہیں۔ وہاں کے اخبارات میں آپ کو ائرپورٹ، چور، چوری اور اس جیسے دیگر الفاظ نہیں ملیں گے بلکہ ان کی جگہ طیران گاہ، سارق، سرقہ اور ان کے مثل دیگر عربی اور فارسی الفاظ ملتے ہیں جبکہ اتر بھارتی علاقوں کی اردو میں ہندی الفاظ غالب ہیں۔

موجودہ وقت میں وہاں بہت سے علمائے کرام تشریف فرما ہیں جو دین وسنیت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ شہر اور مضافات و اطراف کے جملہ معاملات کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر پوری تندہی سے حل کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد بہاؤالدین مصباحی، مولانا جاوید اختر مصباحی اور مولانا کاشف رضا شاد مصباحی کی "تکڑی" خاص قابل ذکر ہے۔ تینوں صاحبان کے باہمی تعلقات کو دیکھ کر اور پرکھ کر اس جملے کی صداقت پوری طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ فرزندان اشرفیہ کا آپسی رشتہ خون کے رشتوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

میں سرزمین بندہ نواز علیہ الرحمۃ والرضوان پر کئی ماہ سے مقیم تھا جہاں دین واسلام کے شیدائیوں کی علمی پیاس کو بجھا رہا تھا۔ اس شہر سے کافی حد تک مانوس ہو چکا تھا کہ ایک روز فون کی "نامخوس" گھنٹی بج اٹھی۔ موبائل اُٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر ایک مسکراتا ہوا نمبر نظر آیا (مسکراتا ہوا اس لئے کہ ہمارے ہم سبق اور رفیق مولانا رہبر مصباحی صاحب سے جب بھی گفتگو ہوتی ہے وہ ہمیشہ مسکراتے ہوئے نظر آتے اور سنے جاتے ہیں۔) سلام دُعا اور زمانۂ اشرفیہ کی یادوں کے ذکر اور تبادلے کے بعد انہوں نے فرمایا:

وادیٔ کشمیر سے ایک جگہ آئی ہے۔ تدریس اور ماہنامہ "المصباح" دارالعلوم شاہ ہمدان، پانپور، کشمیر کی ادارت کی ذمہ داری ہے۔ اگر آپ راضی ہوں تو بات بڑھائی جائے۔ میں نے انکار کر دیا مگر انہوں نے اصرار باقی رکھا یہاں تک کہ ۱۲ دنوں بعد مجھے راضی ہونا پڑا۔ کرناٹک ایکسپریس سے ٹکٹ نکالا اور دہلی کے لیے چل پڑا۔ خلاف توقع برتھ بھی مل گئی اور سارا سفر سوتے جاگتے اور قدرتی مناظر، کھیتوں، باغوں، زرخیز میدانوں، سبزہ زاروں اور پتھروں کا مشاہدہ کرتے گذر گیا۔ اور ۱۸ مارچ کی صبح نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے شہر پہونچ گیا۔ یہاں بھائیوں، بہنوں، بہنوئیوں اور جگر کے ٹکڑوں پیارے بھانجوں نجم الثاقب، نجم الراغب، نجم الصالحین اور عزیزم ناہید سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے لاڈ و پیار اور ناز و نخرے ہمیشہ کی طرح شروع ہوگئے۔ (میرے گھر کا کوئی بھی بچہ مجھ سے خوف نہیں کھاتا ہے جس کی وجہ رشتہ داروں نے یہ بیان کی ہے کہ میں صرف لاڈ پیار کرتا ہوں مگر ان کی سرزنش نہیں کرتا اور اگر کرتا بھی

مدیر ماہنامہ المصباح، پانپور، کشمیر
mjavedmisbahi@gmail.com

ہوں تو وہ میرے غصے کو مصنوعی سمجھتے ہیں۔ اور ایک صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس دن مجھ سے میرے گھر کے بچے ڈرنے لگ جائیں گے اس دن وہ خوشی میں مٹھائی کھلائیں گے۔)

پھر اپنے ایک رفیق مولانا سکندر اعظم مصباحی کی زیارت کے لئے بذریعہ میٹرو ٹرین اتم نگر گیا اور ان کے ہمراہ تین گھنٹے گذارنے کے بعد واپس اپنی قیام گاہ آ گیا۔ کل کا دن جمعہ ہونے کے باعث ہزار خواہشوں کے باوجود جامعہ نگر نہیں جا سکا ورنہ مولانا انظار مصباحی، مولانا آفتاب مصباحی (J.M.I) اور مولانا نیاز مصباحی (J.N.U) کی شفقت بھری سینئرٹی کو کیسے فراموش کر سکتا تھا اور پھر مولانا محمد حسین مصباحی (J.N.U) کی رفاقت کا داغ کیسے دے سکتا تھا۔ خیر......! دہلی سے شام نو بجے کی ٹرین سے جموں توی کیلئے نکل پڑا۔ پوری رات گھوڑا بیچ کر سونے والے کی طرح رہا اور پھر صبح کی پو پھٹتے ہی آنکھوں نے مزید بندش سے انکار کر دیا۔ نیچے ایک وِنڈو کی رفاقت اختیار کر لی۔ (ہم سوچتے تھے کہ اس طرف کی گاڑیوں میں ۸۰ فیصد سے زیاد مسلم مسافر نظر آئیں گے مگر معاملہ برعکس نظر آ رہا تھا۔) سامنے کی نشست پر بیٹھے غیر مسلم سے بات چیت اور تبادلۂ خیال شروع ہو گیا (جب کہ کسی بھی غیر مسلم سے گفتگو کرنے سے قبل سوچنا پڑتا تھا کیوں کہ ایک تو مسلمان، دوسرے مولانا اور تیسرے کشمیر کی طرف سفر) دوران گفتگو انہوں نے دبے لفظوں میں اسلام اور دہشت گردی کو جوڑنے کی کوشش کی تو میں نے کہا:

آپ دنیا کے جس مذہب کا جائزہ لیں اس کے ماننے والوں میں ہر طرح کے لوگ ملیں گے۔ مثلاً آپ اپنے ہندو مذہب کو ہی لے لیں! اس کے ماننے والوں میں ماؤ نواز (Moists) بھی ہیں اور ابھینو بھارت والے بھی۔ آر ایس ایس بھی ہیں اور بی جے پی بھی۔ وشو ہندو پریشد والے بھی ہیں اور آسام کے الفا والے بھی۔ انہیں میں سے بال ٹھاکرے کی شیو سینا اور راج ٹھاکرے کی مہاراشٹر نو نرمان سینا بھی ہیں۔ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ یہ سب آتنک پھیلانے میں مصروف ہیں..........؟؟

کیا آپ کا مذہب انہیں اس بات کا لائسنس دیتا ہے کہ وہ اتر بھارتیوں، مسلمانوں اور بے قصور لوگوں کو لاٹھی، ترشول، تلوار، بندوق اور بم دھماکوں کے ذریعے قتل کریں......؟؟؟

یہ ریئلیٹی (reality) ہے کہ یہ سب آتنکی اور دہشت گرد ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ اقتدار اور صاحب اقتدار ان کے ہاتھوں میں رکھیل ہیں اسی لئے انہیں "معزز اور پرامن شہری" کا "انسانیت شکن" خطاب حاصل ہے۔ اگر بالفرض اسی طرح دو چار افراد مسلمانوں میں بھی خراب ہوں تو اس کے لیے ساری امت مسلمہ کو دہشت گرد نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں میں دو گروہ ہیں: (۱) صوفی ازم (Sufism) (۲) وہابی ازم (Wahabism)

اول الذکر گروہ کا اصول یہی ہے کہ: چین سے جیو اور جینے دو Live in peace and let us live

اور دوسرا فرقہ وہابی ازم امریکہ ویورپ کی پیداوار (Product) ہے جنہیں انہوں نے اپنے مخصوص مفاد اور کمیونسٹ روس کی کمر توڑنے کیلئے استعمال کیا اور use and throw (برتو اور پھینکو) پہ عمل کرتے ہوئے مطلب نکلتے ہی دہشت گرد قرار دیا۔

ٹرین صبح دس بجے جموں توی پہنچی۔ اسٹیشن سے باہر نکلا تو ایسا لگا کہ یہ "آرمی نگر" ہے۔ میرے فائل بیگ کو دیکھ کر ایک سکھ فوجی نے پوچھا: اس میں لیپ ٹاپ ہے کیا؟

میں نے اسے فائل بیگ دکھا دیا۔ جب ہاتھ سے ٹٹول کر اسے یقین ہو گیا کہ لیپ ٹاپ نہیں ہے تو پھر اس نے جانے کی اجازت دے دی۔

جموں کی سڑکوں اور شاہراہوں پر فوج کی گاڑیاں ممبئی کی ٹیکسیوں کی طرح گشت کرتی ہوئی نظر آئیں۔ ہم نے بس اسٹاپ سے سومو میں ایک سیٹ اپنے لیے بک کر لی اور تین سو کلومیٹر سری نگر کے لیے ۳۵۰ روپے ادا کر دیئے۔ گاڑی چل پڑی اور ہم پہاڑی راہوں، بستیوں اور آبشاروں کا مشاہدہ کرنے لگے۔ جگہ جگہ اس طرح کے بورڈ آویزاں ہیں Blind Curve (اندھا موڑ)۔ This is highway don't think runway (یہ شاہراہ ہے اسے معمولی راستہ نہ خیال کریں) اس کی وجہ یہ ہے کہ راستہ بہت پرپیچ، دشوار گذار اور تنگ ہے جسے دیکھ کر شاہراہ کا خیال ہی نہیں ہوتا ہے۔

مشہور ندی دریائے چناب کی بھی زیارت ہوتی رہی۔ اس کو دیکھ کر دل عجب طرح کے کیف و سرور کا احساس کر رہا تھا۔ دل میں ہندوستان میں وارد ہونے والے ان اولین مجاہدین اسلام کے لیے شکر گزاری اور سلام کے جذبات رواں تھے۔ آنکھیں اس وقت کو تصور میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں جب اپنی قوم کی ایک مجبور لڑکی کے خون سے لکھے خط نے حجاج بن یوسف کے پتھر دل کو بھی پگھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس ظالم مگر غیور حکمراں نے حقوق انسانی کی حفاظت کے لئے ستم کی ساری چٹانوں کو نیست و نابود کر دینے کا حکم دیا تھا۔ ایمان کی حرارت محمد بن قاسم اور ان کے ان جانثار ہم رکابوں کو بھی ہدیۂ تبریک پیش کر رہی تھی جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور ہند میں مقید مقدس اسلامی قافلے کی حفاظت کی خاطر کفن کو اوڑھنا، بچھونا

اورقہر کے تصور کواپنی آنکھوں کا سرمہ بنا کر ہندوستان کے سرکش حکمرانوں کی سبق آموزی کے لیے اپنے مادروطن کو چھوڑا اور کفر، بداخلاقی، بے راہ روی اور صنم پرستی کی آگ میں جھلس رہی دھرتی کو امن وسلامتی، ایمان ومحبت اوراخوت وبھائی چارگی کا گلستاں بنادیا۔

جب ہماری گاڑی جموں کے پہاڑوں پہ چل رہی تھی تو اسکے برہنہ درختوں، بے رونق پتھروں اور غیر جاذب پہاڑیوں کو دیکھ کر مجھے یہ خیال بھی آرہا تھا کہ صدیوں سے یہاں آنے والے یہودی اور مسیحی سیاحوں کو نہ جانے ان کالے پتھروں اور خشک مناظر میں کونسی چیز بھا گئی کہ انہوں نے اس علاقہ کو جنت ارضی کہہ دیا۔ مگر جب گاڑی جموں اور کشمیر کے مابین حائل پانچ تا سات کلومیٹر لمبی سرنگ (Tunnel) سے گزر کر ''خطۂ جنت نشان کشمیر'' میں داخل ہوئی تو دائیں جانب لگے اس بورڈ پہ نظر پڑی۔

"Welcome you to Kashmir Valley, Paradise of Earth"

زمین کی جنت وادیٔ کشمیر میں آپ کا خیر مقدم ہے۔ اور پھر شروع ہوا سلسلہ ان خوبصورت نظاروں کا جس کے لیے اس خطہ کو جنت کہا جاتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے......! موسم بہار کی ابتدا ہو، غروب وقت کا سماں ہو اور آپ جنت نشان کی سیر کررہے ہوں۔ جذبات واحساسات کا عالم کیا ہوگا۔ گاڑی رواں دواں تھی اور ہم کھڑکی سے چپکے آنکھوں کی ضیا پاشی میں مشغول تھے۔ ان خوبصورت نظاروں، مظاہرِ فطرت آبشاروں، کوہساروں، زرخیز میدانوں، سبزہ زاروں، مرغ زاروں، گل بداماں گلستانوں، جنت نظیر وادیوں اور توحید باری کے دلائل جن کو دیکھ کر دلِ مومن کو طمانیت کا احساس ہوتا ہے وہ ذہن کو بھی ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔ (ایسے جسم کو ٹھنڈک کا احساس اسی وقت سے ہونے لگا تھا جب گاڑی جموں اور کشمیر کے مابین فاصل پانچ تا سات کلومیٹر لمبی سرنگ سے نکلی تھی۔ اس سرنگ تک کا موسم خلاف گمان بالکل دلی کی طرح ہوتا ہے۔) اس سفر کے دوران جموں کا باشندہ ایک سکھ نوجوان بھی ہمقدم تھا۔ اس سے بھی گپ شپ ہوتی رہی۔ مختلف معاملات اور سیاست پر بھی گفتگو ہوئی۔ اثنائے مکالمہ اس نے ایک ایسا جملہ اگل دیا جو دیگر اقوام کے متعصب ہم وطنوں کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے قائم غلط نظریہ کو اُجاگر کرتا ہے اور جس کا وقتاً فوقتاً اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا:

Entering Kashmir don't forget India and never say to fight against it as Kashmir's people.

کشمیر پہنچ کر ہندوستان کو بھول مت جانا۔ اور نہ ہی کشمیریوں کی طرح ہندوستان سے بغاوت کرنا۔

یہ جملہ سن کر غصہ تو بہت آیا مگر میں نے نہایت صبر سے کام لیا اور متانت وسنجیدگی سے کہا:

How can I forget India while my religion Islam teachs us to love homeland?

کشمیر پہنچ کر خاکِ ہند کو بھلانے کا سوال ہی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا مذہب اسلام مادر وطن سے محبت کا درس دیتا ہے۔

تو اس نے کہا:

There are many warriors in Kashmir, who war against India and in favour of Pakistan

کشمیر کے بہت سے جنگ جو پاکستان کی حمایت میں ہندوستان سے جنگ کرتے ہیں۔

میں نے اس سے استفسار کیا:

How many percentage of Kashmir's people fight against India?

کتنی فیصد کشمیری عوام ہندوستان سے جنگ میں ملوث ہیں؟

اس نے کہا:

almost two ar three percentage

تقریباً دو یا تین فیصد۔

میں نے کہا:

You accept that about 98% Kashmir's residents are peaceful, then why you did not count me in 98%, and tought me lesson to love homeland?? Do you think all Mulsims are rebellious? Many Hindus also for example Abhinu Bhart, VHP, Moists, ULFA etc) are traitors and Many Sikh Punjabies for example Khalistanies also committed rebell. then why you make only muslims suspected???

آپ کو یہ بات تسلیم ہے کہ تقریباً ۹۸ر فیصد کشمیری امن پسند ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے مجھے ۹۸ر فیصد امن پسندوں میں شمار نہ کر کے مجھ پر حب الوطنی کا سبق تھوپ دیا......؟؟۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ تمام مسلمان باغی ہیں......؟؟ بہت سے ہندو مثلاً ابھینو بھارت، وی ایچ پی، ماؤ

نواز، الفا وغیرہ اور بہت سے سکھ مثلاً خالصتانی وغیرہ بھی ملک کے غدار ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے نزدیک صرف مسلمانوں کی وفاداری مشکوک ہے۔

یہ سن کر بے چارہ خاموش ہو گیا اور پھر ہم دونوں کا ٹھا کرے خاندان کی دشنام طرازی پہ اتفاق ہو گیا۔ چونکہ پانپور، سری نگر سے ۱۴ر کلومیٹر قبل ہی آتا ہے لہذا ہم پہلے ہی اتر گئے۔ تقریباً ۲۷۵ر کلومیٹر کا راستہ طے کرنے میں نو گھنٹے لگ گئے۔ گاڑی ۴۵ر کلومیٹر کی رفتار سے تیز ہی لگتی تھی مگر کیا پتہ کیوں دوریاں بہت سست رفتاری سے سمٹ رہی تھیں۔ میں گوا ممبئی شاہراہ پر بھی ۳۵۰ر کلومیٹر لمبا راستہ چار پہیے والی گاڑی سے طے کر چکا تھا، جس میں صرف پانچ گھنٹے لگے تھے۔ مگر یہاں تو معاملہ مختلف نظر آرہا تھا اور بار بار ایک واقعہ ذہن میں گردش کر رہا تھا:

جب میں ۲۰۰۵ء میں جامعہ امجد رضویہ گھوسی، مئو، میں ساد سہ جماعت کا طالب علم تھا اور رفیق محترم مولانا محمد سکندر اعظم مصباحی جماعت خامسہ میں تھے۔ شوال المکرم کے ہی مہینے میں وہ چھوہارے خرید کر لائے تو فضیلت کے ایک طالب علم نے استفسار فرمایا: چھوہارے کیسے کلو لائے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: ۶۰ر روپے Kg۔

حضرت صاحب الفضیلۃ نے پھر استفسار فرمایا:

کس Kg سے............؟؟؟؟

یہ سوال سن کر ہمیں تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہم نے سوچا کہ ہم زیریں جماعت میں ہیں اسی لئے مختصر اور ایجاز سے بھر پور ''فاضلانہ کلام'' ہماری عقل میں نہ آیا مگر دوسرے ہی لمحے قہقہوں کا دھماکہ ہو گیا۔ انہوں نے خود ہی اپنے کلام کی تفسیر یوں بیان فرمائی:

''Kg کئی طرح کا ہوتا ہے نا......؟؟

میرے سوال کا مطلب ہے کہ کس Kg سے لائے ہو؟ ایک کلو والے Kg سے؟ دو کلو والے Kg سے؟ یا پھر پانچ کلو والے Kg سے......؟؟''

جموں کی پر پیچ گھاٹیوں میں ہمیں بھی یہی خیال آرہا تھا کہ شاید یہاں کا Km دو چار کلومیٹر والا ہوتا ہے۔

وادی کی مہنگائی: وادی میں اشیا کی خریداری ''باہمت'' یا پھر ''مجبور'' لوگوں کا ہی کام ہے۔ یہاں آپ کو عمومی طور پر دُکان میں پچاس کے چھٹے بہ آسانی مل جائیں گے کیونکہ یہاں کی خریداری عمومی طور پہ اس طرح ہوتی ہے۔ پچاس۔ سو۔ ڈیڑھ سو اور دو سو۔ یعنی دس اور بیس کے نوٹوں کا مصرف کم ہی نظر آتا ہے۔ ساکنانِ جنت نشان کو یہی شکوہ ہے کہ حکومت ایک امتیازی سیاست کے ذریعے ہمارے یہاں پہنچنے والی اشیاء کو مہنگی کر دیتی ہے تاکہ ہم ترقی نہ کر پائیں۔ اگر یہاں کی مہنگائی اور گرانی دیگر ہندوستانی ریاستوں کی طرح ہی ہو تو پھر کشمیر ہندوستان کی سب سے مالدار اور ترقی یافتہ ریاست ہوگی۔ کیونکہ یہاں سیاحت سے ہونے والی آمدنی کے علاوہ جن چیزوں کی زراعت ہوتی ہے پوری دنیا اور عالمی منڈیوں میں ان کی قیمتیں بہت ہوتی ہیں۔ پانپور جہاں ہم مقیم ہیں یہاں زعفران کی کھیتی ہوتی ہے۔ پورے ملک بلکہ بیرون ملک بھی زعفران یہیں سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ چند سال قبل تک اسکی قیمت تین لاکھ روپے کلو تھی مگر اب بہ مشکل ڈیڑھ لاکھ روپے مل پاتے ہیں جب کہ مارکیٹ میں پھٹکر بکنے والے زعفران کی قیمتیں کافی بڑھ گئی ہیں۔ شاید یہ بھی ایک سرکاری ضرب کاری ہو۔

مستثنی قوانین: اب تک کی معلومات کے مطابق کشمیر میں دو خصوصی قانون یہ ہیں۔ (۱) غیر کشمیری یہاں کسی طرح کی جائداد خریدنے کا مجاز نہیں ہے۔ (۲) ایک کشمیری دیگر ریاستوں کی لڑکیوں سے شادی کر کے اسے کشمیر لا سکتا ہے۔ اس طرح غیر کشمیری کشمیری لڑکی سے نکاح کر کے اسے لے جا سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ یہیں بودوباش اختیار کرتا ہے تو بھی اسے اپنے نام پہ پراپرٹی خریدنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس قانون کو دفعہ ۳۷۰ر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

کشمیری زبان: کشمیر آنے سے قبل تک میں یہی سمجھتا تھا کہ صرف تین زبانیں عربی، فارسی اور اردو کی رسم الخطیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ہندوستانی کرنسی نوٹوں کو دیکھتا تو پریشان ہوتا تھا کہ اس میں اردو رسم الخط والی دو زبانوں کا استعمال ہے، جن میں سے ایک اردو ہے جب کہ دوسری زبان عربی ہے نہ فارسی......؟۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ کشمیری زبان کا رسم الخط اردو، عربی اور فارسی کی طرح ہے لیکن یہ زبان عمومی طور پہ صرف بول چال اور خطابت کے لیے استعمال کی جاتی ہے، خط وکتابت اور دیگر امور کے لئے اردو ہی مستعمل ہے۔ قرآن حکیم نے اسی لئے سیر وسیاحت کا حکم دیا ہے۔ سیروافی الارض۔

وادی کا موسم: وادی کے موسم کو آپ ''بے وفا محبوب'' کہہ سکتے ہیں۔ جب بھی آپ کو یہ امید بندھے گی کہ شاید اب ''نہ ٹھنڈی نہ گرمی'' کا موسم شروع ہو رہا ہے تبھی بے وفائی کا ظہور اور ناز ونخرے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی حمایت میں جھومتے رحمتِ باراں یا خنک ہوا ؤں کو بھی بلا لیتا ہے۔ خیر......! قبل مرگ ہی ''عکسِ جنت'' کی جھلک دیکھنے کے لیے کچھ تو سہنا ہوگا۔ یہاں تقریباً ڈیڑھ دو ماہ گرمی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً پورے سال خنکی رہتی ہے۔ نومبر تا فروری کے متعلق مفتی محمد رضا مصباحی سیتامڑھی فرماتے ہیں کہ وہ ٹھنڈی ہڈیوں میں سوراخ

کر دینے والی ہوتی ہے۔'' جبکہ بقیہ دنوں میں ٹھنڈی قدرے نرم رہتی ہے۔ کچھ پہاڑیوں نے آج تک برف کی چادریں لپیٹ رکھی تھیں مگر آج (۱۲ر اپریل) کی بارش نے ان سبھوں کو بے لباس اور برہنہ کر دیا ہے۔ یہاں کے لوگ پورے سال رضائی، سویٹر اور پھیرن (جبہ نما) کا استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کا سب سے ٹھنڈا علاقہ وادیٔ کشمیر ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ہندوستان کا ایک علاقہ لداخ ہے جو چین اور پاکستان دونوں سے ملحق ہے۔ (یہاں سے وہ تقریباً تین سو کلومیٹر کی دوری پہ واقع ہے) وہاں اتنی شدید برف باری ہوتی ہے کہ لوگ تین مہینوں تک گھر سے باہر نہیں نکلتے ہیں اور ان علاقوں سے باہر آنے کا راستہ صرف فضائی رہ جاتا ہے۔ لوگ اکتوبر کے اخیر میں ہی اپنے اپنے گھروں میں ایک ایک دو دو گائے یا بھینس کاٹ کر رکھ لیتے ہیں اور وسط مارچ تک تناول کرتے رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان مہینوں میں وہاں سبزی دستیاب نہیں ہوتی ہے اور ان ایام میں گھر سے نکلنا بھی ایک دشوار گذار اور پریشان کن امر ہوتا ہے۔''

باشندوں کا رنگ وروپ: یہاں کے کچھ لوگوں کی ''ساختی شناخت'' ہی الگ ہے۔ تقریباً سبھی کشمیری گورے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ جن میں کچھ کا رنگ زرد ہے تو کچھ سرخ ہیں مگر بہت سے سرخ اور زرد چہروں پر ''اضافی سیب'' حسن وکشش میں نقصان وخامی کا مترادف معلوم ہوتا ہے۔

علمی رنگ: یہاں کے لوگوں کے ساتھ گزرتے شب وروز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دینی علم عام لوگوں کے اندر ابھی کافی حد تک زندہ و جاوید ہے۔ اپنے بچوں کو دینی علوم سکھانا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ عام طور پر پرائیوٹ عصری اداروں میں دینی علوم کو ایک اہم عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ ان اداروں کی ابتدا حمد وسلام ہی سے ہوتی ہے۔ یہاں کہ بیشتر افراد حروف مشدد کی ادائیگی میں ''کنجوسی'' سے کام لیتے ہیں، فیاض کو فیاض اور عباس کو عباس پڑھنے کی بیماری میں اکثر اشخاص مبتلا ہیں۔ عصری علوم وفنون کے ماہرین کی تعداد بھی معقول ہے۔ لوگوں میں علم اور اہل علم کی کافی قدر ہے۔ علمائے کرام کو عزت وتوقیر دینے اور ان کی راہوں میں پلکیں بچھانے میں پس و پیش نہیں کرتے ہیں۔ عام لوگوں کی دینی معلومات بھی کافی اچھی ہے۔ اردو ماہنامے اور مجلّات کے قارئین کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ عصرِ حاضر کے ہندوستانی قلمکاروں اور نثر نگاروں میں مولانا مبارک حسین مصباحی (استاذ الجامعۃ الاشرفیہ ومدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔) ان کی پہلی پسند ہیں۔

مذہبی حالات: دیگر ہندوستانی ریاستوں کی بہ نسبت وادی کے مسلمانوں کے مذہبی حالات ٹھیک ٹھاک ہیں۔ نماز کے وقت دوکانوں کو بند کر کے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہونے کو یہاں کے بہت سے مسلمانوں نے اپنے یومیہ مشاغل میں شامل کر رکھا ہے۔ ہر نماز کی جماعت کے بعد اوراد ووظائف کا دور چلتا ہے جس میں شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ وظیفہ ''اوراد فتحیہ'' خصوصاً بعد نماز فجر روزانہ خوب شوق وذوق سے پڑھا جاتا ہے۔ عموماً طور پہ ہر گھر میں درجن بھر مذہبی کتابیں مل جائیں گی۔ جو صرف طاقوں کی زینت ہی نہیں بنتی ہیں بلکہ ذہن ودماغ میں بھی سجائی جاتی ہیں۔ عام لوگوں کی دینی معلومات بھی قدرے اچھی ہے۔ شریعت وقوانین اسلام کی پابندی بھی بہت حد تک باقی ہے۔ داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کی بھی تعداد اچھی خاصی ہے، یہاں حنفی چہروں پہ شافعی داڑھی عام سی بات ہے۔ تمام ریاستوں کی طرح جنت نشاں بھی یورپی تہذیب کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔ حجاب ونقاب کا استعمال کم ہی نظر آتا ہے۔ جس پر والدین اور ذمہ داران معاشرہ کو توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

معاشی حالات: ہندوستانی مسلمانوں کی بہ نسبت وادی کے مسلمانوں کی معاشی حالت کافی اچھی ہے۔ بے روزگاروں کی تعداد بھی کم ہی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے مسلمانوں کے لئے جذبۂ اخوت بھی رواں رہتا ہے۔ رہائشی مکانات باہر سے تو دیکھنے کے قابل کم ہی ہوتے ہیں مگر اندرونی اور باطنی سجاوٹ نابینا آنکھوں کو بھی دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ عمارتوں کو باہر سے غیر جاذب بنانے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تقریباً تین ماہ کی برف باری ان کی ساری محنت کو یکلخت ضائع کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انہیں مجبوراً اپنی چھتوں پہ ٹین ڈالنا پڑتا ہے تاکہ برف ان کی چھت پر منجمد نہ ہو سکے۔

لطیفہ: پہلے دن تدریس کے وقت میں نے طلبہ سے کہا کہ وہ کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرائیں۔ دورانِ تعارف ایک طالب علم نے اپنے نام کے آگے شیخ کا ذکر کیا۔ میں نے پوچھا: کون شیخ؟ (مقصود سوال صدیقی اور فاروقی تھا)۔ اس کا جواب تھا: ''زمیندار شیخ''۔ میں نے استفسار کیا کہ یہ تیسری قسم کہاں سے آگئی؟ مگر اس نے جو جواب دیا وہ پریشان کن اور کافی چونکا دینے والا تھا:

حضرت! دو ہی قسم ہے (۱) زمیندار، اور (۲) موچی۔

خوبصورتی باعث آزادی: کسی بھی چیز کی فراوانی اور کثرت باعث پریشانی ہوتی ہے۔ مال ودولت زیادہ ہو گئے تو حفاظت اور وراثت کی فکر ہمہ وقت رہتی ہے۔ اور ہر لمحہ وارثوں کا ہی خیال ہوتا ہے (یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی ورثہ مُورث کو قبل از مرگ ہی [اعمالِ حسنہ اور اعمالِ سیئہ کے مطابق]'' ....(باقی ص:۳۱ پر)

نقد ونظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	عشرۂ مبصرہ
مصنف	:	پروفیسر طلحہ رضوی برق
مرتب	:	ڈاکٹر سید جنید رضوی
صفحات	:	(۹۶)
قیمت	:	۱۰۰ر روپے
سن اشاعت	:	جون ۲۰۰۹ء
ناشر	:	علامہ قتیل اورینٹل لائبریری ومرکز تحقیق شاہ ٹولی، داناپور کینٹ، پٹنہ
مبصر	:	محمد طفیل احمد مصباحی

پروفیسر طلحہ رضوی برق علم وفن، فکر وشعور اور ادب وشاعری کے ایک حرفِ معتبر کا نام ہے۔ موصوف کا شمار مسلکِ اہل سنت و جماعت کے صاحبِ طرز ادیب، بلند پایہ محقق اور اردو فارسی کے مستند شاعروں میں ہوتا ہے۔ اردو زبان وادب کی زلفِ برہم سنوارنے میں آپ کی عملی کاوشوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، بلفظِ دیگر اردو زبان کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں روح کی طرح اتارنے والے جیالوں میں آپ کا بھی ایک اہم مقام ہے۔ آپ کی ادبی تخلیقات میں ''اردو کی نعتیہ شاعری، غور وفکر، ارزشِ ادب، نقد وسنجش اور شہابِ سخن'' منظرِ عام پر آکر اہل علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''عشرۂ مبصرہ'' برق صاحب کے لکھے ہوئے ان دس تبصروں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے سیال قلم سے رقم ہوئے ہیں۔ مبشرہ یا مبصرہ سے قطع نظر اس توصیفی ترکیب کو سننے کے بعد فوراً تبادرِ ذہنی ان دس خوش بخت صحابہ کی طرف ہوتا ہے، جنھیں حضور سیدِ عالم ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ لیکن محترم برق صاحب نے کتاب کا یہ نام یعنی ''ص'' سے ''مبصرہ'' رکھ کر جہاں اپنے اعلیٰ ادبی جمالیاتی ذوق کا ثبوت دیا ہے وہیں اردو کے متوسط درجہ کے قارئین کو مغالطے میں بھی ڈال دیا ہے۔ خود راقم الحروف بھی ابتداءً اس ادبی معمے کو سمجھنے سے قاصر رہا اور سوچا کہ شاید یہ ''کاتب کی کاٹ چھانٹ'' کا نتیجہ ہو کہ بے چارے کاتب نے ''ش'' کے بجائے ''ص'' کتابت کر دی ہے۔

بہر کیف کتاب لے کر مطالعہ کی میز پر جھک گیا، لیکن سر ورق الٹنے کے بعد جیسے ہی نظر علامہ انور اللہ حیدر آبادی، قمر وارثی، امام احمد رضا محدث بریلوی اور عبد اللہ عباس ندوی وغیرہ پر پڑی تو عالمِ تخیلات میں بے ساختہ بول پڑا کہ یا اللہ! ان لوگوں کو دنیا میں جنت کی بشارت کس نے دے دی۔ کیا برق صاحب کی کوئی نئی تحقیق تو سامنے نہیں آئی ہے؟ حیرت واستعجاب کے اسی میدانِ تیہ میں بھٹک رہا تھا کہ مرتب کتاب نے سہارا دیا اور کہا کہ ''پیشِ نظر کتاب ''عشرۂ مبصرہ'' پروفیسر برق کے لکھے ہوئے ان دس منتخب تبصروں کا مجموعہ ہے.....''

حمد باری، انوار احمدی، کہف الوریٰ، رسالہ فنا وبقا، تذکرۂ حضرت رفاعی، قصیدۂ احمد رضا در مدحِ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نگارشات، سیر دہلی، غزلیاتِ افسور مودودی، اور کھوٹا سکہ، چھوٹی بڑی ان دس کتابوں پر فاضل مصنف نے اپنا جامع اور پر مغز تبصرہ فرمایا ہے۔ ان کتابوں میں رسالۂ فنا وبقا، تذکرۂ حضرت رفاعی، نگارشات، غزلیات افسر مودودی اور خاص طور سے قصیدۂ احمد رضا در مدح ام المومنین حضرت عائشہ خاصا وقیع اور معلومات افزا ہے، بلکہ اس تبصرہ کو برق صاحب کی انیق تحقیق کا نقطۂ عروج کہا جائے تو بجا ہے۔

علمائے دیوبند کا امام احمد رضا قدس سرہ پر یہ ایک سنگین الزام ہے کہ انھوں نے اپنے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' میں جو قصیدہ ام المومنین حضرت عائشہ کی شان میں لکھا ہے وہ نہایت توہین آمیز اور سوقیانہ لب ولہجے پر مشتمل ہے، قصیدے کے وہ دو اشعار جن کو لے کر علمائے دیوبند کافی واویلا مچاتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

تنگ وچست ان کا لباس اور وہ جوبن کا نکھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ وبر

کہا جاتا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد کو اعلیٰ حضرت سے بدظن کرنے کے لیے کسی نے مذکورہ اشعار سنائے تو مولانا آزاد نے برجستہ کہا

تھا کہ "میں قیامت تک یقین کرنے کو تیار نہیں کہ مولانا احمد رضا نے یہ اشعار ام المومنین کے لیے کہے ہیں۔" (عشرۂ مبصرہ، ص:۵۴)

نوعیتِ مسئلہ کی تفہیم میں یہاں برق صاحب کا برق رفتار قلم اور صبار فتار فکر قابلِ دید ہے۔ موصوف نے اردو و فارسی کے مسلم الثبوت اساتذۂ سخن اور خالص فنی حیثیت سے شعر و شاعری و قصیدہ نگاری کے مروجہ اصول و آداب کی روشنی میں اس امر کو پایۂ تحقیق تک پہنچایا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں اشعار تشبیب کے ہیں جن کا تعلق ام المومنین سے ہرگز نہیں۔ چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

"صنف قصیدہ کے اجزاے ترکیبی میں "تشبیب" پہلا اور اہم جز ہے......... بیش تر تشبیب عاشقانہ اور بہاریہ ہوتی ہے...... جس میں شاعر اپنی طباعی، بلند پروازی، مضمون آفرینی اور فن کارانہ صلاحیتوں سے ایک تمہید پیش کرتا ہے اور فکر و فن کی جولانی کو ایک نازک اور فطری موڑ دے کر مدح و ستائش ممدوح کی طرف رخ کرتا ہے، یہی گریز ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت کے مذکورہ قصیدہ در شانِ ام المومنین میں شعر و ادب کا جو معیار پیش ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، تشبیب قصیدہ میں حضرت ممدوح (حضرت عائشہ) کی نسبت سے نو عروسانِ چمن کو پردہ داری کی تلقین کی گئی ہے اور چشم تماشائی کو نامحرموں پر نظر ڈالنے سے روکا گیا ہے۔" (ایضاً، ص:۵۵)

قارئین کرام! درج بالا اقتباس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اشعارِ رضا میں قصیدہ نگاری کی اسی صنعت خاص "تشبیب" کا استعمال ہوا ہے جسے اربابِ دیوبند آج تک سمجھنے سے قاصر ہیں، یا پھر تجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر بھولے بھالے عوام کو امام احمد رضا قدس سرہ سے متنفر کرنے کا ایک غیر مستحسن فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ پورا قصیدہ سمجھے اور سیاق و سباق کا لحاظ کیے بغیر یہ اعتراض کرنا کہ اس میں ام المومنین کی شان میں کھلی توہین ہے، سراسر جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر سیاق و سباق کا لحاظ نہ کیا جائے تو پھر آیتِ کریمہ: "وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی." کا کیا جواب ہوگا؟

فاضل مصنف کا یہ صداقت آمیز تبصرہ ملاحظہ ہو:

"میں نے ابھی تک یہی سن رکھا تھا کہ ندوۃ العلما میں زبان و ادب کی تعلیم بڑی معیاری ہوتی ہے اور مجھے قدرے حسن ظن بھی تھا، لیکن اسی ندوۃ العلما کے استاذ عارف ندوی کی مذکورہ کتاب (بریلوی فتنہ کا نیا روپ) کو پڑھ کر وہاں کا سارا بھرم جاتا رہا۔ عربی تو عربی ہے، حیرت ہے کہ عارف ندوی سنبھلی اپنی مادری زبان اردو، اس کے ادب و شعر فہمی سے بھی کورے نکلے۔ اور ایسے کورے کہ کور بھی شرمائے۔" (ایضاً، ص:۵۱)

"رسالۂ فنا و بقا" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے برق صاحب نے عرب و عجم میں تعلیم تصوف، ہندوستان میں مختلف سلاسل کا فروغ، اربابِ طریقت کی روحانی تعلیمات اور عہدِ شاہ جہانی میں تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کی مثالی خدمات انجام دینے والے صوفیاے کرام کا تذکرہ بڑے خوب صورت پیرائے میں کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ سلسلۂ ابو العلائیہ کے روح رواں سید ناصر ابو العلا حسینی احراری (م: ۱۰۶۱ھ) کی سوانح حیات بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور آپ کی مشہور فارسی تصنیف "رسالۂ فنا و بقا" کی علمی و ادبی حیثیت کو بڑے فن کارانہ انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ اس مبارک رسالے کا ایک بصیرت آموز اقتباس آپ بھی ملاحظہ کریں:

"صوفی نہ آں ست کہ چلّہ کند و خلوتہا و ریاضتہا کند بلکہ صوفی آں ست کی دریں جا سر کل شیئٍ ھالک الا وجھہ...... رو نماید" یعنی صوفی وہ نہیں جو گوشہ نشیں ہو کر عبادت و ریاضت اور چلّے پر چلہ کرتا جائے بلکہ صوفی وہ ہے جس پر آیتِ کریمہ "کل شیئٍ ھالک الا وجھہ" کا راز آشکارا ہو جائے۔"

ادب و صحافت کی دنیا میں رائج دھاندلی اور جنگل راج کو بے نقاب کرنے والے ش. مظفر پوری کے ناول "کھوٹا سکہ" کا برق صاحب نے حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے اور اسے مرزا رسوا کے ناول "امراؤ جان ادا" کے مماثل قرار دیا ہے۔ یقیناً آج ادب و صحافت کی دنیا میں دھاندلی اور تنگ نظری اپنے شباب پر ہے۔ اگر یہ دعویٰ غلط ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ علماے اہل سنت کی گراں قدر تصانیف اور ان کی ادبی خدمات کو مسلسل نظر انداز کر کے صحیح اردو تک نہ بولنے والے پروفیسر حضرات کے ماتھے پر خادمِ اردو اور ادب نوازی کا لیبل چسپاں کیا جا رہا ہے؟ حالاں کہ آج یہ حقیقت بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ اردو زبان مدارسِ دینیہ کی وجہ سے زندہ ہے اور بقول بعض اگر "آج اردو زبان آکسیجن پر زندہ ہے" تو یہ آکسیجن فراہم کرنے والے علماے کرام و طلبہ مدارس ہی ہیں۔

"تذکرۂ حضرت رفاعی" پر اپنے گراں قدر تاثرات قلم بند کرتے ہوئے جہاں برق صاحب نے سلسلۂ رفاعیہ کے جلیل القدر بزرگ شیخ احمد کبیر رفاعی علیہ الرحمہ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے، وہیں کراماتِ اولیا و معجزاتِ انبیا کی پرزور وکالت بھی کی ہے اور متعلقہ کتاب کے تقدیم نگار ابو الحسن ندوی کی قاعدے سے خبر بھی لی ہے اور مؤلفِ کتاب سید مصطفیٰ رفاعی پر حیرت و افسوس کا اظہار بھی کیا ہے کہ انھوں نے کتاب کا مقدمہ ابو الحسن ندوی سے کیسے لکھوا لیا جو اولیاے کرام کے بارے میں تشدد کی حد تک منفی خیالات رکھتے ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ برق صاحب کو حیرت و افسوس میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ آج حامیانِ دیوبند اور اربابِ ندوہ توحید کے پردے میں "اقانیم ثلاثہ" کا جو افسوس ناک کاروبار انجام دے رہے ہیں وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں اور جہاں تک ابو الحسن ندوی کی بات ہے تو آں جناب "جیسا دیس ویسا بھیس" کی کہاوت پر عمل کرنا خوب جانتے تھے۔

کتاب مجموعی حیثیت سے قابلِ مطالعہ اور لائقِ استفادہ ہے۔ برق صاحب نے جہاں فکر انگیز تحقیق، موضوع سے متعلق تاریخی حقائق، دل چسپ معلومات اور برمحل اشعار سے اپنی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ وہیں محاورات و ضرب الامثال کے باہمی امتزاج سے اس کے حسن معنویت کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ زیر مطالعہ کتاب تبصراتی اصول کے تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کرتی ہے۔

ان خوبیوں کے علاوہ کتاب میں کچھ خامیاں بھی ہیں، کمپوزنگ کی غلطیاں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہیں جو مرتب کی غفلت کا پتہ دیتی ہیں۔ ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کے رشحاتِ قلم کا مجموعہ "نگارشات" پر برق صاحب کا تبصرہ پڑھ کر ان کی فکری مرعوبیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبصر صاحب "تبصرہ نگاری" کے دائرے سے نکل کر "قصیدہ نگاری" اور "منقبت خوانی" کی سرحد میں داخل ہو گئے ہیں۔

علم و دانش، فکر و تدبر، تجربہ و مشاہدہ اور زبان و بیان کا ماہرانہ درک "تبصرہ نگاری" کے لازمی اجزا ہیں اور برق صاحب کے اندر یہ تمام باتیں موجود ہیں، مگر تبصرہ نگاری جو در اصل نقد و جرح اور حسن و قبح کے اظہار کا نام ہے، اس کا التزام برق صاحب کی اس کتاب میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

ص: ۹/ ۲۸/ ۵۷/ ۶۱/ اور ۶۲/ پر آیتِ کریمہ کے بعض حصے غلط کمپوز ہو گئے ہیں جو آئندہ ایڈیشن میں اصلاح طلب ہیں۔ برق صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: "میرا خیالِ ناقص یہ ہے کہ "العلم حجاب الاکبر" مولانا آزاد پر صادق آتا ہے۔" لیکن راقم الحروف کا خیالِ ناقص یہ ہے کہ عربی عبارت اس طرح ہے "العلم حجاب اللّٰہ الاکبر" اسم جلالت (اللّٰہ) کے اضافے کے ساتھ۔ یہاں "نار اللّٰہ الموقدۃ" یا "حجۃ اللّٰہ البالغۃ" والی ترکیب ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ علم ایک حجاب ہے جس کو عبور کیے بغیر خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی، کہ جس طرح پس پردہ محبوب تک پہنچنے کے لیے پردے تک پہنچنا اور اسے طے کرنا ضروری ہے۔

(ملاحظہ ہو: الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح)

فاضل مصنف نے "کھوٹا سکہ" کے بارے میں لکھا ہے "کہیں بھی ناول میں نامانوس الفاظ نہیں ملتے" مگر یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ خود برق صاحب کے اسی تبصرے میں کچھ غیر مانوس الفاظ در آئے ہیں جو آج تقریباً متروک الاستعمال ہیں۔ تلفظ کے وقت ان کے معانی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے، مثلاً "اتباجی صلاحیت، دل کو برمانا، چونچال اور اسلوب کی برش" وغیرہ ــــ بعض مقامات پر بڑے گاڑھے اور جناتی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً "موہن رسالت، علایم، صاد اور معرّیٰ"۔ برق صاحب! کہیں یہ مرزا غالب کی مشکل پسندی تو نہیں؟ تذکرہ کی طرح "ذ" سے تذکیہ غلط ہے بلکہ صحیح لفظ تزکیہ زا کے ساتھ ہے۔ دو تین جگہ تذکیہ ذا کے ساتھ ہی کمپوز ہوا ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ کا املا ہمزہ کے بجائے یا کے ساتھ دیکھ کر حیرت ہوئی مثلاً قایل، گھایل، شایع، حقایق، رسایل، علایم، آرایش، زیبایش وغیرہ ــــ املا میں یہ ترمیم دیکھ کر حیرت ہوئی کہ برق صاحب جیسے اردو ادیب نے اس لسانی "بدعتِ سیئہ" کو کیسے گوارا فرما لیا۔ اردو داں حلقے کی غالب اکثریت ان الفاظ کا تلفظ ہمزہ کے ساتھ کرتی ہے اور انھیں ہمزہ کے ساتھ لکھتی ہے تو پھر بلا وجہ اس "بدعتِ سیئہ" کو رواج دینے کا کیا فائدہ؟

☆☆☆

منظومات

نعت شریف

لب پہ نغمے ہیں صل علیٰ کے یاد سینے میں ہے مصطفیٰ کی
روشنی جو ہے فکر و نظر کی، یہ عطا ہے رسولِ خدا کی
غم زدو، بے کسو، بے سہارو! رحمتِ دو جہاں کو پکارو
ہو اگر ان کی چشمِ عنایت، بات بن جائے گی بے نوا کی
حسن یوسف کا ہر سو تھا شہرہ، نورِ احمد کا ہر شے میں جلوہ
چاند، سورج، ستارے بھی واللہ! ہیں جھلک ان کے ہی نقشِ پا کی
دونوں عالم میں سب سے حسیں ہیں، مہ جبیں ہیں وہ مہر مبیں ہیں
فرش پر رہ کے عرش نشیں ہیں، ذات نائب ہیں وہ کبریا کی
اللہ اللہ رفعنا کی عظمت، ہے دلوں پر بھی ان کی حکومت
ذکر ان کا سراسر ہے رحمت، جانِ جاں ہے جو مدحت سرا کی
اک نظر مجھ پہ رشکِ مسیحا، آپ کو داتا کہتی ہے دنیا
مانگے تائب بھی محشر میں آقا چھاؤں لطف و کرم کی ردا کی

عبدالغنی تائب، پاکستان

گفتگوے رسول

مشامِ جاں میں سمائی ہوئی ہے بوے رسول
دل اپنے آپ کھنچا جا رہا ہے سوے رسول
نہ کیوں ہو خوار زمانے میں یہ عدوے رسول
خدا بڑھائے، گھٹائیں یہ آبروے رسول
ابو البشر ہوں، مسیحا ہوں یا کلیم اللہ
سبھی کے نوکِ زباں پر ہے گفتگوے رسول
حضور کی تو زباں پر ہے **اَیُّکُم مِثلِی**
ہمارے جیسے ہیں، کہتے ہیں یہ عدوے رسول
دیارِ خواجہ میں، بغداد اور طیبہ میں
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوے رسول
جہاں کی فکر ہے اُن کو نہ خوف محشر کا
جو پی کے مست ہیں مظہر ئلِ سبوے رسول

مظہر چشتی، مبارک پور

منقبت ببارگاہِ حافظِ ملت بموقعِ عرسِ عزیزی ۲۰۱۰ء

شعورِ علم و فضیلت ہیں حافظِ ملت
دل و نظر کی ضرورت ہیں حافظِ ملت
جو دیکھو سادہ طبیعت ہیں حافظِ ملت
جو سوچو ورطۂ حیرت ہیں حافظِ ملت
کمالِ وصفِ قیادت ہیں حافظِ ملت
مرا متاعِ عقیدت ہیں حافظِ ملت
مرا قرار ہیں راحت ہیں حافظِ ملت
پناہِ بے کسِ غربت ہیں حافظِ ملت
بہر لحاظ، بہر نوع دیکھیے بے شک
حضور حافظِ ملت ہیں حافظِ ملت
جدھر بھی جائیے اُن کے چراغ جلتے ہیں
فروغِ علم شریعت ہیں حافظِ ملت
ہر ایک شعبے میں سرگرمِ جستجو گویا
بجاے فرد، جماعت ہیں حافظِ ملت
شعورِ فکر و نظر، علم و آگہی میری
سب آپ ہی کی بدولت ہیں حافظِ ملت
میں شاد کام تمنا ہوں اس لیے اختر
کہ میرا زورِ حمایت ہیں حافظِ ملت

محمد اختر مصباحی، بہار شریف

الٰہی مرا نورِ بصیرت عام کر دے
سلسلہ ٹوٹے نہیں

یہ ہے میرا وطن

۳۵/واں عرس حافظ ملت - یادیں چھوڑ گیا

مبارک حسین مصباحی

ہم بار بار سوچتے ہیں کہ اس کالم میں اپنے وطن کے سیاسی اور سماجی حالات پر تجزیاتی تحریریں سپردِ قلم کریں لیکن گرد و پیش کے جماعتی تقاضے اور روایتی داعیے قدم باہر نکالنے کا موقع ہی نہیں دے رہے ہیں اس کے باوجود غیر اختیاری طور پر کچھ ملکی اور ملی مسائل زیر بحث آہی جاتے ہیں۔ اس بار ہم ذکر کریں گے جلالۃ العلم استاذ العلما ابو الفیض حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ کے ۳۵/ واں عرس پاک کا۔ اس وقت جب میں یہ سطریں سپردِ قلم کر رہا ہوں سلطان الہند غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی نور اللہ مرقدہ کے عرس کی آمد آمد ہے۔ مملکت ہند کے روحانی تاج دار کا یہ ۷۹۸/واں عرس ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خاکِ ہند میں عرس کی روایت کو قریب آٹھ صدیاں بیت گئیں، جب کہ عرس کو بدعت کہنے اور معمولاتِ عرس کو شرک کہنے والوں کی تحریک ابھی صرف ڈیڑھ صدی پہلے کی پیداوار ہے۔ ہاں مراسمِ عرس میں جو غیر شرعی امور در آئے ہیں ان کے جواز و استحسان کی کوئی گنجائش نہ کل تھی اور نہ آج ہے۔ اب میں جس نقطے کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عرسوں کی مقدس تقریبات نے ہندوستان کے گنگا جمنی سماج کی تشکیل و تعمیر میں بڑا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اعراس پیار و محبت اور امن و یک جہتی کا خاموش پیغام نشر کرتے ہیں۔ بزرگوں کے آستانوں پر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی بڑے چاؤ سے حاضر ہوتے ہیں اور شانے سے شانہ ملا کر ملکی یک جہتی کی عملی مثال پیش کرتے ہیں۔ حکومت اور سماجی تحریکیں لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر کے امن اور یک جہتی کے نام پر ہزاروں سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرتی ہیں، پر جوش تقریریں ہوتی ہیں، گراں قدر مقالے پڑھے جاتے ہیں، مگر عام طور پر ان تحریروں اور تقریروں میں لفظوں کی بازی گری اور معنویت کا فقدان ہوتا ہے۔ خطیب اسی وقت تک امن کا داعی ہوتا ہے جب تک کہ وہ خطاب کر رہا ہوتا ہے، مگر اسٹیج سے اتر کر پھر وہ اپنے اصلی خول میں چلا جاتا ہے۔ یعنی ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اس کے بر خلاف اولیاے کرام کے مزاروں پر سب کچھ دلوں کے شدید تقاضوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہ ایک سچائی ہے کہ جب دلوں کے تقاضے غالب ہوتے ہیں تو آنکھوں کے تقاضے فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ در اصل صوفیاے کرام کے یہاں بہر قدم شریعت کی پاس داری تو لازم ہے لیکن اس عشق کی راہ میں عقل نارسا کو بہت دیر اور بہت دور تک ساتھ نہیں رکھا جا سکتا، شاید اسی لیے کسی شاعر نے یہ ہدایت نامہ جاری کیا تھا۔

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیے

صوفیاے عظام نے خانقاہوں سے ہمیشہ امن اور پیار کا پیغام نشر کیا ہے اور کردار و اخلاق سے بھر پور اس خانقاہی نظام سے انھوں نے دعوت و تبلیغ کا بھی اہم فریضہ انجام دیا ہے اور وہ بھی اس تدبیر و حکمت سے کہ لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی اور سانپ بھی مر گیا۔ حضرت سلطان الہند نے اپنے حسن اخلاق اور روحانی تصرف سے قریب نوّے لاکھ کافروں کو داخلِ اسلام کیا، لیکن اس کے باوجود لاکھوں لاکھ غیر مسلم آج بھی ان کے آستانے پر حاضری اپنی سعادت مندی اور فیروز بختی تصور کرتے ہیں، اور بڑے بڑے غیر مسلم سیاسی لیڈران ان کے مزار پر قیمتی چادریں پیش کر کے اپنی قومی یک جہتی کی سند حاصل کرتے ہیں۔ حضرت سلطان الہند فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست رکھتا ہے جس میں دریا کی طرح سخاوت، آفتاب کی طرح شفقت اور زمین کی طرح تواضع ہو، نیز فرماتے ہیں: کسی گناہ سے اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچا جتنا کسی کو ذلیل اور گری نظر سے دیکھنے سے پہنچتا ہے۔ ہندوستانی سماج میں ان ارشادات نے بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت نے اپنی طالب علمی کے ۹ ربرس دیارِ خواجہ میں گزارے۔ فرماتے تھے، بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری سے پہلے میری زندگی کے سب سے خوب صورت لمحات وہ تھے جو میں نے سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانے پر گزارے۔ اسی لیے حضور حافظ ملت کی زندگی میں اخلاق و سخاوت، شفقت و محبت، تواضع و انکساری خورد نوازی، حوصلہ افزائی اور حکمت و موعظت کی فراوانی نظر آتی ہے۔ تند خوئی، سخت گیری اور بد اخلاقی سے تخریب کاری اور حوصلہ شکنی تو کی جا سکتی ہے دلوں کے آبگینے متاثر نہیں کیے جا سکتے۔ آج اور کل میں کیا فرق ہے، نتائج سامنے ہیں۔ حسان الہند حضرت بیکل اتساہی نے کہا تھا۔

علم کا دریا، پیار کا ساگر ناز کرے جس پہ اخلاق
فیض مجسم پیکرِ شفقت حافظ ملت زندہ باد

بیکل اتساہی نے بڑی حد تک حیاتِ حافظِ ملت کے بحر ناپیدا کنار کو اپنے کوزے میں بھر لیا ہے۔ اے کاش علماے اہل سنت بھی حافظ ملت کے انوار اخلاق کو اپنے دلوں میں اتار لیتے۔

حافظ ملت کا ۳۵ر واں عرس ۱۵ اور ۱۶ر مئی ۲۰۱۰ء کو صاحب سجادہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی قیادت و سربراہی میں منعقد ہوا۔ یہ عرس حضور حافظ ملت کی یادوں کے نقوش ایک بار پھر تازہ کر گیا۔ حضرت حافظ ملت بیسویں صدی کی اس عظیم شخصیت کا نام ہے جو جہانِ سنیت میں اپنی زندہ فکر و خدمات کے حوالے سے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، حافظ ملت کی آفاقی اور ہر دل عزیز شخصیت کئی جہتوں سے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مشہور خاندانی بیک گراؤنڈ نہ ہونے کے باوجود بھی فلک پیما کارنامہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ حافظ ملت کی شخصیت اس رخ سے بھی اپنی ایک مثال پیش کرتی ہے۔ حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم کر کے جو عظیم اور ہمہ گیر تعلیمی خدمات انجام دی ہیں، اس نے پوری جماعت کو علمی وقار عطا کیا ہے، آج جہانِ سنیت کے ہر میدان میں حافظ ملت کے علمی چراغ جل رہے ہیں اور حاسدین ان روشن چراغوں کو دیکھ دیکھ کر مسلسل جل رہے ہیں اور اب جیسے جیسے حافظ ملت کے چراغوں کی روشنی بڑھ رہی ہے اس سے جلنے والوں کے چراغ گل ہوتے نظر آرہے ہیں۔ اس وقت خاکِ ہند کے اہل سنت کا تعلیمی اور تبلیغی وقار فرزندان اشرفیہ سے قائم ہے۔ یہ فرزندانِ اشرفیہ در اصل امام احمد رضا محدث بریلوی کے وفا شعار سپاہی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے فکرِ رضا پر جب بھی کہیں حملہ ہوتا ہے فرزندانِ اشرفیہ سینہ سپر ہو کر ہر اول دستے میں نظر آتے ہیں، شاید اسی لیے جب بعض حضرات جماعتی شکست و ریخت میں ملوث نظر آتے ہیں یا مسلکِ اعلیٰ حضرت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ تو سب سے زیادہ مضطرب اشرفیہ اور فرزندانِ اشرفیہ نظر آتے ہیں۔

حضرت حافظ ملت کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کا فن جانتے تھے، ان کا نشانہ جماعتی بالادستی ہوتی تھی اور اس کے لیے جو بھی کام کرتا تھا وہ اس کی خوب قدر کرتے تھے اور ہر ممکن تائید و حمایت فرماتے تھے۔ افسوس اس وقت اہل سنت میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی مخلصانہ نظر جماعتی فلاح و بہبود پر ہو بلکہ ہر ایک اپنے ادارے، اپنی خانقاہ اور اپنی شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لیے سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار نظر آتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ مخفی مفادات کے تحفظ کے لیے نہ صرف دوسروں کی حوصلہ شکنی پر تلے ہوئے ہیں بلکہ ان کی تذلیل اور تکفیر کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور سرپیٹ لینے کا مقام یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے چند لوگ فتووں کا تقدس بھی پامال کر رہے ہیں۔ علماے دیوبند نے تو ان دنوں فتووں کا وقار مجروح کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ آئے دن بلا ضرورت ان کے فتوے میڈیا میں زیر بحث رہتے ہیں بلکہ ان کے فتاوے غیر مسلمو ں اور جدیدیوں میں شریعت کی مضحکہ خیزی کا سامان فراہم کرتے رہتے ہیں۔ انھیں حالات کے پیش نظر گزشتہ دنوں ٹائمس آف انڈیا نے "فریڈم فتویٰ" کے عنوان سے انگریزی میں ایک مباحثہ شائع کیا تھا جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے دانش وروں نے حصہ لیا تھا۔ اہل سنت کے نمائندے کی حیثیت سے راقم سطور سے تفصیلی انٹرویو لیا تھا جسے ٹائمس آف انڈیا نے اپنی ۲۳ر مئی ۲۰۱۰ء کی اشاعت میں شامل کیا۔ ذیل میں ایک پیرا آپ بھی پڑھیے:

Maulana Mubarak Husain Misbahi of the Barelvi sect's Tanzeem Abnae Ashrafia at Mubarakpur in Uttar Pradish says, "The frequent publicity in the media makes a mockery of fatwas. Imams and muftis should act responsibly and refrain from pronouncing fatwas, say, during elections asking muslims to vote for a particular candidate.

جماعتی مسائل اور اہل سنت کے اعراس اور اجتماعات پر اظہارِ خیال کرنا ہماری قلمی ذمہ داری ہے۔ اسی ضمن میں اہل سنت کے قبلۂ فکر و عمل کی بھی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی بعض حضرات کبیدہ خاطر بھی ہو جاتے ہوں گے، ایسے حضرات کے لیے ہمارا مشورہ ہے کہ انھیں الحق مر کا ورد کرنا چاہیے، ایک نہ ایک دن ان کے دل کو آرام ہو ہی جائے گا۔ ایک روز پاکستان کے مشہور صحافی برادرم صبیح رحمانی سے فون پر گفتگو ہوئی، وہ گزشتہ دنوں دہلی آئے ہوئے تھے، انھوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ اب وہ QTV کے ڈائریکٹر ہو گئے ہیں۔ انھیں مبارک باد دیتے ہوئے ہم نے کہا: QTV ہندوستانی مسلمانوں کی پہلی پسند ہے، اس میں ہندوستانی علما کی نمائندگی کا بھی راستہ نکالیے۔ انھوں نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے کہا کہ اس سلسلہ میں میٹنگ چل رہی ہے، انشاء اللہ جلد ہی یہ راہ ہموار ہو جائے گی۔ طویل گفتگو کے دوران اس جملے کو انھوں نے بار بار دہرایا کہ ہندوستان کے چند علما ٹی وی کے عدم جواز پر بڑا سخت موقف رکھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کچھ کریں۔ ہم نے کہا، آپ بلاوجہ پریشان ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا فکری رویہ تو یہ ہے کہ جو حضرات ٹی وی پر جائز پروگراموں کے عدم جواز کا موقف رکھتے ہیں انھیں مشورہ دینا چاہیے کہ وہ پوری شدت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہیں بلکہ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی نسلوں اور مریدین و تلامذہ کو وصیت کر جائیں کہ وہ تا قیامت اسی موقف پر قائم رہیں۔ اس کا جماعتی سطح پر ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ علماے ہند کے لاحاصل اور کاروباری اختلافات سے دنیا کا ایک بڑا حصہ بے خبر رہے گا اور اس طرح عالم اسلام خاکِ ہند میں جنم لینے والی مشربی زعم تعصب کی بوالعجبیوں سے بھی محفوظ رہے گا۔ محترم صبیح رحمانی نے ہماری رائے کی ثقاہت پر بے پناہ اظہارِ مسرت کیا اور فرمایا: مولانا! آپ سے ہماری

ملاقات بہت پہلے ہونا چاہیے تھی، آپ کے ایک جملے نے ہماری ساری الجھن دور کر دی۔ اللہ سلامت رکھے ہمارے نوجوان شاعر و صحافی جناب صبیح رحمانی کو انھوں نے پاکستان میں "نعت رنگ" کا کتابی سلسلہ جاری کر کے اردو نعتیہ شاعری کے فروغ و ارتقا میں بالکل منفرد رنگ و آہنگ قائم کیا ہے۔ مگر صبیح رحمانی صاحب سے ہمیں اب خطرہ یہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں وہ QTV کو صرف شاعروں کی آماجگاہ نہ بنا دیں۔

عرس حافظِ ملت کی مناسبت سے ۴ر مئی ۲۰۱۰ء کو تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیر اہتمام ایک پریس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں راقم سطور نے حضور حافظ ملت کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی جسے ہندی اور اردو اخبارات نے شائع کیا اور الیکٹرانک میڈیا نے نشر کیا۔ اس کانفرنس میں میڈیا کے سامنے درج ذیل تجاویز بھی پیش کی گئیں۔ اس موقع پر جامعہ کے ناظم، اعلیٰ الحاج سرفراز احمد اور مفتی زاہد علی سمیت کئی اساتذۂ اشرفیہ موجود تھے۔

(۱) - خواتین ریزرویشن بل کی موجودہ شکل میں ترمیم کی جاے، محض خواتین ریزرویشن ہونے سے اس میں اعلیٰ طبقات ہی کی حصہ داری اور نمائندگی ہوگی، اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے مسلم خواتین کی خصوصی حصہ داری اس ریزرویشن میں ضروری ہے۔

(۲) - مردم شماری کے تعلق سے مسلمانوں سے گزارش کی گئی کہ اپنے اپنے حلقے میں بیدار رہیں اور پوری ذمہ داری کے ساتھ فارم کی خانہ پری کریں، ملک کی پالیسیاں مرتب ہونے میں اس کا بڑا دخل ہوتا ہے، مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، خاص طور پر علما، ائمۂ مساجد اور مسلم قائدین اس مہم کو سر کرنے کے لیے منظم کوشش کریں، ملکی حالات کے پیشِ نظر یہ ایک اہم فریضہ ہے۔

(۳) - اتر پردیش میں مدارس عربیہ کے اساتذہ کو تنخواہ حاصل کرنے اور ایریئر وصول کرنے میں رشوت کی بڑی بھاری رقم دینی ہوتی ہے، تنظیم کی طرف سے اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ ٹیچر ایسوسی ایشن کی جانب سے بھی اس تعلق سے مثبت کوششیں ہونا چاہئیں تاکہ حالات میں کوئی تبدیلی ہو۔ حکومت اتر پردیش سے اپیل ہے کہ وہ اس جانب اپنی توجہ مبذول کرے۔

(۴) - اردو زبان جو ہندوستان کا قیمتی سرمایہ ہے اور صوبۂ اتر پردیش کے ایک بڑے طبقے کی مادری زبان ہے سرکاری سطح پر مسلسل نظر انداز کی جا رہی ہے، اس لیے ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام سرکاری کاموں کے لیے دوسری زبان کے طور پر اردو کو استعمال کیا جائے، بسوں، ٹرینوں اور تمام سرکاری دفاتر پر اردو بورڈ آویزاں کیے جائیں، اردو میں تحریر، چیک اور دستاویز رجسٹری آفس میں قبول کیے جائیں اور سہ لسانی فارمولے کے تحت جن پرائمری اور مڈل اسکولوں میں اردو پڑھنے والوں میں مناسب تعداد ہے وہاں اردو ٹیچر کا تقرر کیا جائے اور اردو ٹیچر کے نام پر جن لوگوں کو بھرتی کیا گیا ہے، ایک سازش کے تحت ان کی اکثریت سے اردو کی تعلیم نہ دلا کر دوسرا کام لیا جا رہا ہے۔ یہ حکومت کی منشا اور تقرری کے اصول کے خلاف ہے، ایسے تمام ٹیچروں سے اردو ہی پڑھانے کا کام لیا جائے۔

(۵) - اب جب کہ عربی فارسی یونیورسٹی کا قیام حکومت اتر پردیش نے لکھنؤ میں کر دیا ہے اور سینیئر متحرک و فعال آئی. اے. ایس. افسر جناب انیس احمد انصاری کو وائس چانسلر بھی نام زد کر دیا ہے، جس کے لیے گورنمنٹ لائق مبارک باد ہے لیکن کام میں تیزی لانے کے لیے ضروری ہے کہ عالیہ کے مدرسین کو فوری طور پر اس یونیورسٹی سے ملحق کر دیا جائے۔

حسبِ روایت ۱۵ر مئی ۲۰۱۰ء کو بعد نمازِ فجر قیام گاہ حافظ ملت پر قرآن خوانی، نعتیں، تقریریں اور شجرہ خوانی ہوئی اور صاحب سجادہ حضرت عزیز ملت نے امتِ مسلمہ کے لیے دعا فرمائی۔ دونوں دن بعد نمازِ ظہر قیام گاہِ حافظِ ملت سے چادروں کا جلوس نکلا اور دونوں دن بعد نمازِ عشا اجلاسِ عام ہوئے جن میں ملک کے نام ور علما اور شعرا نے حصہ لیا۔ دوسرے دن اجلاس عام کے اسٹیج پر ۱۱ر بج کر ۵۵ر منٹ پر قل شریف ہوا۔ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے شرکاے عرس اور امتِ مسلمہ کے لیے رقت انگیز دعائیں فرمائیں۔ ۴۵ر حضرات نے جامعہ اشرفیہ کی اعزازی رکنیت حاصل کی جنھیں سربراہِ جامعہ حضرت عزیز ملت کے ہاتھوں اعزازی سند سے سرفراز کیا گیا۔ اسی دوران حضرت عزیز ملت نے متعدد نئی کتابوں کا اجرا بھی فرمایا۔

عرس کا آخری اور اہم پروگرام فارغین، اشرفیہ کی دستار بندی کا جشن تھا۔ اساتذۂ اشرفیہ اور ملک کے مشاہیر علما اور مشائخ کے ہاتھوں حسب ذیل شعبوں سے ۳۰۴ر طلبہ کو جبہ و دستار سے نوازا گیا، جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ درجۂ فضیلت سے ۲۰۲، درجۂ قراءت سے ۵۹، درجۂ حفظ سے ۳۵، شعبۂ تحقیق فی الفقہ سے ۴، تقابل ادیان سے ۴۔

صلاۃ و سلام کے بعد دعا ہوئی اور صاحب سجادہ عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ نے زائرین عرس کا شکریہ ادا کیا۔ ۳۵ر واں عرس اپنے تمام دینی اور روحانی آداب کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اور لاکھوں دلوں پر حضور حافظ ملت کی علمی، روحانی اور دعوتی یادوں کے نقوش چھوڑ گیا۔ ریڈیو اسٹیشن گورکھپور کے نمائندوں نے حسب سابق عرس کا پروگرام ریکارڈ کیا جسے بڑے اہتمام سے نشر کیا۔

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی۔

اللہ آپ کے نور بصیرت کو عام کرے

فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔سلام مسنون

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا! جون ۲۰۱۰ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ اداریہ میں جن اہم نکات کی طرف آپ نے رہ نمائی کی ہے وہ یقیناً قابلِ توجہ ہیں، خاص کر مدارس و مکاتب کی تعلیم کا مسئلہ۔ آپ اس قول میں حق بجانب ہیں کہ مدارس سے متعلق مکاتب بھی روایتی ادارے بن کر رہ گئے ہیں۔ علم و فضل کے دھنی اساتذہ چھٹے کمیشن کے نفاذ پر گھنٹوں مباحثہ کرتے ہیں، اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں، مگر تعلیمی نظام کو مؤثر بنانے اور قوم کی راہ نمائی کی خاطر کوئی محکم لائحۂ عمل تیار کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں۔ یہ پوری جماعت کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ بات صرف دینی تعلیم کی نہیں عصری تعلیم کا بھی کوئی خاص انتظام نہیں ہے، اس لیے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اگر مسلم ریزرویشن بل پاس بھی ہو جائے تو اس ماحول میں ہم اس کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے۔ قوم کے سرخیل حضرات کو اس نہج پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

بزمِ دانش کے صفحات صوفیا اور تصوف پر مشتمل دو مضامین کی نذر ہو گئے، یہ دونوں مضامین اس شمارے کی خصوصیت ہیں، ہمارے خیال سے ان کا بھی ایک مستقل کالم ہونا چاہیے، تاکہ صوفی ازم سے آشنائی ہو۔

عنبر مصباحی کے مضمون "سب سے بڑا مجرم کون" کا افسانوی انداز بہت پسند آیا انھوں نے صورتِ حال کی بہت اچھی عکاسی کی ہے، عرس کی مناسبت سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت پر دونوں مضامین اس شمارے کی جان ہیں۔

آپ کا منتخب کیا ہوا نیا کالم "یہ ہے میرا وطن" بھی خوب تر ہے۔ میری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے نورِ بصیرت کو اور عام کرے اور یہ سلسلہ کبھی نہ ٹوٹے۔ ربِ قدیر کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اشرفیہ کو نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔ فقط

شہاب الدین مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

طالبانی مذہب اسلام کے حقیقی تصور سے مختلف ہے

مکرمی جناب مدیر اعلیٰ صاحب.............. سلام مسنون

جون ۲۰۱۰ء کا شمارہ فردوسِ نگاہ بنا، اس کے تمام مضامین خوب سے خوب تر ہیں، خصوصیت کے ساتھ آپ کا فکر انگیز اداریہ "کیا موجودہ دور اسلام کی موافقت میں ہے" اور "یہ ہے میرا وطن" کے کالم میں "ڈاکٹر شکیل اعظمی کا پہلوتا مجموعۂ کلام گلِ قدس" پر کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی آپ کی شگفتہ تحریر سے شاد کام ہوا، تعارف و تبصرہ کا یہ اچھوتا اسلوب کوئی آپ سے سیکھے۔

"اداریہ" پڑھ کر معلوم ہوا کہ آج طالبان لوگوں کو جس اسلام کی دعوت دے رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے، ڈنڈے کے زور پر لوگوں کی گردن تو جھکائی جا سکتی ہے لیکن دل نہیں جھکایا جا سکتا۔ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنے میں نام نہاد طالبانی فکر و نظر کے حامل افراد نے افسوس ناک کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے اس جملے سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ "طالبان جنت کا لالچ دے کر سادہ لوح نوجوانوں کو دہشت گردی اور خودکش حملوں کی ترغیب دیتے ہیں، یہ جنت نہیں جہنم کا راستہ ہے.... عقائد و نظریات میں بھی طالبانی مذہب اسلام کے حقیقی تصور سے مختلف ہے۔"

"عزیزیات" کے باب میں حضرت علامہ عبد المبین نعمانی اور مولانا ساجد رضا مصباحی کے مضامین پسند آئے۔ آج جب کہ تعلیمی و تدریسی صورت حال نازک موڑ سے گزر رہی ہے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ حضور حافظ ملت کے نظریۂ تعلیم اور تدریسی مشن کو اپنایا جائے۔ "برصغیر میں صوفیاے کرام کا منہج دعوت، جدید علم کلام" یہ دونوں مضامین بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مولانا اسحاق مصباحی صاحب نے جو باتیں ذکر کی ہیں یہ قدیم علم کلام سے متعلق ہیں، پھر "جدید" کا پیوند کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ حضرت نعمت اللہ شاہ کشمیری کی پیشین گوئی اور حرف بحرف اس کی تصدیق حضرت کے نورِ ولایت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ انبیاے کرام و اولیاے عظام کے تصرف و اختیارات اور علم غیب عطائی کے انکار کرنے والے اس سے سبق حاصل کریں۔ فقط محمد عمر دانش

امام احمد رضا پر تکفیر مسلمین کا الزام بے بنیاد ہے

فخر صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تسلیمات وافرہ! ماہ نامہ اشرفیہ کا خصوصی شمارہ اپریل ۲۰۱۰ء جو مجلس شرعی کے سترہویں فقہی سیمینار کی تفصیلات پر مشتمل ہے، مفتی محمد عالم گیر مصباحی نے راقم کو عنایت فرمایا، سب سے پہلے آپ کا اداریہ پڑھا، بعد ازاں جشن امام احمد رضا محدث بریلوی کی رپورٹ دیکھی جس میں محدث بریلوی کا مسئلہ تکفیر میں احتیاط، خوب صورت انداز میں حالات کے تناظر میں پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں امام احمد رضا پر جو الزام رکھا گیا وہ بے بنیاد ہے، جنھوں نے فتاویٰ رضویہ کا کبھی مطالعہ کیا ہوگا، وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ امام احمد رضا کسی سنی صحیح العقیدہ مسلمان کو کافر کہنا کفر ہی جانتے تھے، انھوں نے کبھی کسی کو اپنے مفاد کے لیے کافر نہیں کہا ہے۔ تکفیر کے مسئلے میں بے احتیاطی کا الزام لگانے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اکابر علما کی ان تحریروں کو بغور پڑھیں جن میں بات بات پر مسلمانوں کو کافر و مشرک گردانا گیا ہے۔

مجلس شرعی کا فقہی سیمینار اس بار جن موضوعات پر مبنی تھا ان میں ایک مسئلہ غیر رسم عثمانی میں کتابت وطباعت ہے جو عصر حاضر کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آج ہندی خواں حضرات ہندی ہی میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، وہ کبھی عربی میں پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ پہلے لوگ قرآن پڑھنے میں بڑی دل چسپی دکھاتے تھے اب وہ ذوق و شوق نہیں رہا۔ ہندی و انگلش کی اشاعت وطباعت نے تو ایک عجیب سا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ مجلس شرعی نے اس سلسلے میں عدم جواز کا فیصلہ کر کے امت کی رہ نمائی کی ہے۔

ایک تازہ مضمون "امام احمد رضا اور تشدد: ایک جائزہ" حاضر خدمت ہے امید ہے پسند فرما کر کسی قریبی شمارے میں شامل فرمائیں گے۔ مئی ۲۰۱۰ء کا ماہ نامہ اشرفیہ بھی مل گیا ہے۔ فقط

محمد اسلم رضا قادری، باسنی، ناگور

آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب.. سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ تسلسل کے ساتھ مل رہا ہے، یہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ ہی کا دینی اور علمی ترجمان نہیں بلکہ شرق سے غرب تک پوری دنیاے سنیت کا ترجمان ہے۔ تقریباً ۳۶؍ سال کے طویل عرصے سے کامیاب دینی صحافتی خدمات انجام دے رہا ہے جس کے دامن میں ہمیشہ اتحاد و اتفاق، دعوت و تبلیغ، متانت و سنجیدگی اور ادب و احترام کے موتی جگمگاتے رہتے ہیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر موصوف نازشِ فکر و قلم مولانا مبارک حسین مصباحی اگر اقلیم صحافت کے تاج دار ہیں تو بحر خطابت کے غواص بھی۔ مسندِ درس و تدریس کے بادشاہ ہیں تو میدانِ تصنیف و تالیف کے شہ سوار بھی۔ جماعت اہل سنت کے علم بردار ہیں تو قوم و ملت کے عظیم مفکر بھی۔ علما و مشائخ کے عظیم ممدوح ہیں تو اہل قرطاس و قلم کے رہ نما بھی۔ غرض کہ آپ مختلف اور گوناگوں محاسن و کمالات کے جامع ہیں۔

تمام دینی و ملی رسائل و جرائد کے کارنامے اپنی جگہ، لیکن ماہ نامہ اشرفیہ کے اوراق میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صرف ایک فقہی سیمینار کے خلاصے اور فیصلے لاکھوں پر بھاری ہیں۔

آج سے برسوں پہلے مراد آباد کی سرزمین پر علما و مشائخ کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں چند تجاویز حکومت سے پاس کرائی تھیں، مگر اسی میں کسی نے موضوع سے ہٹ کر اس سوال کو اٹھانے کی کوشش کی کہ مرکز کس کو بنایا جائے۔ یہ بڑا ہی اہم اور خطرناک سوال تھا۔ لیکن ایک بزرگ نے حسن تدبیر سے یہ کہہ کر دبا دیا کہ کسی کو مرکز بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ جو مرکزی کام کرے گا وہ خود بتائے گا کہ مرکز کون ہے، لہٰذا کون سا رسالہ معیاری ہے اور کون سا غیر معیاری، کس کو کس پر تقدم اور برتری حاصل ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

ع: آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

آپ کو حیرت ہوگی کہ اب تک مجلس شرعی مبارک پور کے سترہ فقہی سیمینار ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بحسن و خوبی انجام پا چکے ہیں، جس میں حالاتِ حاضرہ کے بطن سے جنم لینے والے کثیر مسائل کا جامع حل اور شرعی فیصلے باتفاقِ رائے ہو چکے ہیں، جن کو ماہ نامہ اشرفیہ کے مختلف شماروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مادرِ علمی کے تمام شعبہ جات کو روز افزوں ترقی عطا کرے۔ آمین فقط والسلام

محمد کونین نوری مصباحی، دار العلوم غوث الصمدانی، راجستھان

کمپوزنگ کی غلطیاں در آئی ہیں

مدیر محترم.......................... سلام ورحمت

ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۰ء کے شمارے میں "یہ ہے میرا وطن" کے عنوان سے میرے اولین نعتیہ مجموعۂ کلام "گلِ قدس" پر جو ہنوز زیرِ طبع ہے، آپ کا گراں قدر تبصرہ نظر نواز ہوا۔

یہ بھی میری خوش نصیبی ہے کہ مجموعۂ کلام شائع ہونے سے پہلے ہی آپ کا وہ تبصرہ جو میرے مجموعۂ کلام کی زینت ہے ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہوکر تعارف کا ذریعہ بن گیا۔ شکریہ۔

مضمون میں کمپوزنگ کی کچھ غلطیاں در آئی ہیں، ان کی تصحیح فرمالی جائے۔

(۱) تاریخ پیدائش ۱۹۴۳ء نہیں بلکہ ۱۲؍ستمبر ۱۹۴۲ء ہے۔

(۲) "لفظوں کے پلکوں" نہیں "لفظوں کی پلکوں" چاہیے۔

(۳) "بہر سعادت کرتا ہوں کچھ وصفِ شہِ لولاک رقم"۔ بہر سعادت سے پہلے "بس" چھوٹ گیا ہے، یعنی: "بس بہر سعادت کرتا ہوں کچھ وصفِ شہِ لولاک رقم۔"

(۴) "کم نظر تعبیر اس کو جس طرح چاہیں کریں" میں "اس کو" نہیں بلکہ "اس کی"، یعنی: کم نظر تعبیر اس کی جس طرح چاہیں کریں۔

(۵) "اک ذرا سے ارتفاعِ صوت پر تیرے حضور" میں "سے" نہیں بلکہ "سا" چاہیے۔ یعنی "اک ذرا سا ارتفاعِ صوت پر تیرے حضور"

(۶) خلافِ حکمِ پیمبر عمل و عشقِ رسول" میں "و" حرفِ عطف فارسی کی جگہ "اور" ہے۔

(۷) "اندھیرا چھٹ گیا پھیلا جہاں میں نور ہی نور" میں "چھٹ گیا" کی جگہ "مٹ گیا" ہے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ نعتیہ مجموعۂ کلام "گلِ قدس" کے علاوہ منقبتوں کا مجموعہ "حرفِ ثنا" غزلوں اور نظموں کا مجموعہ "عکسِ خیال" علمی و ادبی تنقیدی مقالات کا مجموعہ "شعورِ نظر" بھی زیرِ طبع ہے۔ دعا فرمائیں کہ جلد از جلد یہ علمی و ادبی کاوشیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آجائیں۔ فقط والسلام

خیر طلب شکیل اعظمی، گھوسی، مئو

مصباحی قلم کاروں کی تحریریں

فخرِ صحافت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم

امید کہ بعافیت ہوں گے۔ "جہانِ رضا" ارسال کر رہا ہوں۔ راقم ادھر کئی ماہ سے یادگارِ رضا سال نامہ ۲۰۱۰ء کی تیاری میں مشغول تھا، اس لیے آپ سے کوئی رابطہ بھی نہ رکھ سکا۔

یہ شکوہ کافی عرصہ سے تھا کہ ممبئی میں کافی تعداد میں مصباحی برادران خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن ممبئی کے میڈیا میں ان کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اب مسرت ہو رہی ہے کہ گاہ بہ گاہ مصباحی قلم کاروں کی تحریریں اشاعت پذیر ہو رہی ہیں اور ممبئی کے اخبارات انھیں نمایاں جگہ دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید وسعت کی ضرورت ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ راقم کے مضامین ممبئی، اورنگ آباد کے علاوہ جنوبی ہند کے کئی اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ احباب و رفقا نے سلام پیش کیا ہے، "شہرِ خموشاں کے چراغ" کی اشاعت پر تہنیت پیش کرتے ہیں۔ فقط غلام مصطفیٰ، مالیگاؤں

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولو و لالہ

مکرمی.......................... سلام ورحمت

ماہ نامہ اشرفیہ پابندیِ وقت کے ساتھ مل رہا ہے۔ شمارہ جنوری، فروری ۲۰۱۰ء میں گوشۂ ادب کے تحت ڈاکٹر شکیل اعظمی کے ذریعہ اشعارِ رضا کی توضیح پڑھ کر بے حد محظوظ و مستفید ہوا۔ قدیم اساتذۂ سخن کے دواوین و کلیات پر ان کی اچھی نظر ہے۔ ان کے مطالعے کی وسعت، شعر فہمی و نکتہ سنجی، ژرف نگاہی اور اعلیٰ تنقیدی بصیرت کا میں شرحِ صدر کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں اور دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ کاش وہ یہ سلسلۂ نورانی جاری رکھیں۔ مجھ جیسے بہت سارے قارئین کی معلومات میں قیمتی اضافہ ہوا۔ وہ اپنے خامۂ زر نگار کو بحرِ رضا میں غواصی کے لیے وقف کردیں، کیوں کہ:

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولو و لالہ

فقط ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور

☆☆☆☆☆

روداد چمن

فہرست اعزازی اراکین 2010

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

نوٹ: عرس عزیزی کے موقع پر ہر سال حضرت قاری اسلام اللہ عزیزی خلیفہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی کوششوں سے اہل خیر حضرات الجامعۃ الاشرفیہ کی اعزازی رکنیت حاصل کرتے ہیں۔ امسال حضرت قاری اسلام اللہ عزیزی نے ۴۱؍ممبر پیش کیے، جب کہ عرس کے موقع پر اعزازی رکنیت حاصل کرنے والوں کی کل تعداد ۴۵؍ ہے۔ ہم تمام اعزازی ممبروں کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے ان کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں

۱- جناب ظفر پیرزادہ سید مصطفیٰ، نیرول، ممبئی۔
۲- جناب اکرام حسین محمد حسین، واشی، ممبئی۔
۳- محترمہ عائشہ خانم، جری مری، ممبئی۔
۴- جناب تبسم عزیزی حاجی عبد الغفار عزیزی، ممبئی۔
۵- جناب علی حسن خاں ہری ہری پور، سنت کبیر نگر۔
۶- جناب قیام الدین خاں عبد العزیز خاں، گونڈہ۔
۷- جناب فیروز عزیزی، کرلا، ممبئی۔
۸- جناب محمد کلیم نوری برائے نذر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، گوونڈی، ممبئی۔
۹- جناب برائے نذر حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ، از حاجی محمد نسیم، ممبرا، ممبئی۔
۱۰- جناب عالم عزیزی برائے نذر حضرت سید مخدوم فقیر علی ماہمی
۱۱- جناب اسماعیل گھسا شیخ، پرتاپ گڑھ۔
۱۲- محترمہ مہر النسا اسماعیل شیخ، پرتاپ گڑھ۔
۱۳- جناب مرحوم یحییٰ چویلکر سہیل چویلکر، کلوہ تھانا۔
۱۴- جناب زوجہ مرحومہ محمد شفیق قریشی محمد اسماعیل قریشی، ممبئی۔
۱۵- جناب عابد علی خاں عزیزی حاجی شوکت علی عزیزی، کرلا، ممبئی
۱۶- جناب حاجی طفیل احمد شیخ عزیزی برائے ایصالِ ثواب مرحوم محمد حنیف شیخ، بنگواں، بارہ بنکی۔
۱۷- محترمہ دلشاد عزیزی زوجہ محمد رضوان حسین عزیزی، پریل، ممبئی
۱۸- محترمہ جبین نور جہاں عزیزی حاجی محمد اختر علی حسن علی عزیزی
۱۹- برائے نذر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، از: حاجی محمد رفیق قریشی
۲۰- برائے نذر حضرت سید خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ، از: حاجی محمد رفیق قریشی۔
۲۱- جناب احمد رضا عزیزی ابن جناب محمد نسیم خاں عزیزی، دھاراوی، ممبئی۔
۲۲- برائے نذر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، از: حاجی عبد الغنی برکاتی، گونڈیا۔
۲۳- برائے نذر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، از: حاجی عبد الغنی برکاتی، گونڈیا۔
۲۴- برائے نذر حضرت سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلی، از: حاجی عبد الغنی برکاتی، گونڈیا۔
۲۵- برائے نذر حضرت صوفی نظام الدین صاحب قبلہ مصباحی برکاتی، از: شکیل احمد نظامی۔
۲۶- برائے نذر حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ، از: حاجی محمد نسیم عزیزی، ورلی۔
۲۷- برائے نذر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، از: قاری محمد اسلام اللہ عزیزی
۲۸- برائے نذر حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ، از: حاجی محمد اقبال عزیزی، کرلا۔
۲۹- برائے نذر حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلی، از: جناب محمد حسین عزیزی تائیوانی ابوبکر نوری۔
۳۰- برائے نذر سیدہ حافظہ جمال خواجہ غریب نواز، از: جناب حاجی محمد سلیمان عزیزی۔
۳۱- جناب امتیاز عزیزی، کلیئر روڈ، ممبئی۔

(۳۲)- محترمہ جنن حوا بی عبد العزیز مرحوم والدی حاجی عبد الغنی برکاتی، گونڈلیا، ممبئی۔

(۳۳)- برائے نذر سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از: جناب الحاج سیٹھ طفیل احمد شیخ عزیزی۔

(۳۴)- برائے نذر حضرت بابا بہاء الدین علیہ الرحمہ، از: جناب سیٹھ طفیل احمد صاحب شیخ عزیزی۔

(۳۵)- برائے نذر خواجہ فخر الدین ابن خواجہ غریب نواز علیہما الرحمۃ والرضوان، از: جناب سیٹھ طفیل احمد صاحب شیخ عزیزی۔

(۳۶)- برائے نذر حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، از: جناب سیٹھ طفیل احمد صاحب شیخ عزیزی۔

(۳۷)- برائے نذر خواجہ حسام الدین، سانبھر شریف، از: جناب سیٹھ طفیل احمد صاحب شیخ عزیزی۔

(۳۸)- جناب حاجی محمد ابراہیم قاضی عبد الغفور، گلبرگہ شریف۔

(۳۹)- محترمہ جنن قاسم بی حاجی محمد ابراہیم قاضی، گلبرگہ شریف۔

(۴۰)- برائے نذر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ، از: حاجی اختر علی سلو عزیزی ابن حاجی حسن علی عزیزی۔

(۴۱)- جناب علیم اللہ صاحب بن الحاج سمیع اللہ مرحوم، گونڈہ۔

(۴۲)- جناب الحاج عبد الوحید صاحب بن محمد جمن مرحوم امبیڈکر نگر۔

(۴۳)- جناب حافظ و قاری محمد احمد اشہر عزیزی ابن حافظ نثار احمد عزیزی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

(۴۴)- جناب مولانا منور حسین صاحب گورکھ پور۔

(۴۵)- محترمہ نصیرہ خاتون صاحبہ ممبئی۔

(۴۶)- مولانا توصیف رضا مصباحی ابن مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، مبارک پور۔

(۴۷)- جناب الحاج محمد رفیق صدیقی صاحب فتح پور

☆☆☆☆☆

سنّی ویب سائٹس

www.du-jais.com
www.dawateislami.net
www.sadrululama.org
www.vectralogix.com/hadaiq/
www.geocities.com/urdunaats
www.sunnitehreek.com
www.sunnirazvi.org
www.barkati.net
www.islamicacademy.org
www.hasnain.net
www.ahlesunnat.org
www.aljamiatulashrafia.org
www.al-madeena.com
www.dargahajmer.com
www.markaz.org
www.sunnilive.com
www.sunnidawateislami.net
www.ziaulmustafa.com
www.truequran.com/main.aspx
www.alahazrat.net
www.islam786.org
www.sunnidawateislami.net
www.yanabi.com
www.fikreraza.net
www.sunnimuslim.net
www.muslims.ws
www.azaan.net
www.faizaneraza.org
www.ala-hazrat.org
www.sunnah.org
www.islamicacademy.org
www.minhaj.org
www.razanw.org/
www.daroodpak.info/
www.nooremadinah.net
www.raza.co.za
www.razaacademy.com
www.mustafai.com
www.noori.org
www.hazrat.org
www.alazhar.org
www.hanfiarazvia.net
www.ghouseazam.com
www.ahlesunnat.net
www.aulia-e-hind.com
www.taajushshariah.com
www.alahazrat.net/alquran/alquran.htm
www.hizmetbooks.org/sunni_path/suwahhab.htm
www.geocities.com/exposing_deoband/web/home.htm?20087
www.islamieducation.com/quran/urdu/surah01.html[content suppressed]/
www.geocities.com/sunni_deobandi1/books.htm?200717?200827?200829

پیش کش: مہتاب پیامی

عالمی خبریں

ڈینیئل اسٹریچ کا قبولِ اسلام

سوئیس پیپلز پارٹی کے ممبر اور سوئزرلینڈ کے معروف سیاست داں ڈینیئل اسٹریچ وہ پہلا شخص ہے جس نے سوئزرلینڈ میں مساجد کے میناروں پر پابندی کی مہم کا آغاز کیا تھا۔ وہ شخص جس نے مساجد کے اسلامی شعائر کے خلاف ایک متعصبانہ اور منظم مہم کا آغاز کیا اور ملک میں مساجد کے میناروں پر پابندی کے لیے رائے عامہ کو متحرک کر کے ریفرینڈم کے حالات پیدا کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو نورِ ایمان سے بھر دیا اور اس کی آنکھوں پر پڑے پردے اٹھ گئے۔ اپنی مہم کے حق میں دلائل کی جستجو نے اسے اسلام کے مطالعہ کی رغبت دی اور آخر کار یہ مطالعہ اس کے دل کے قفل کھولنے کا باعث بن گیا اور ڈینیئل اسٹریچ نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ ڈینیئل اسٹریچ کا قبولِ اسلام ان لوگوں کے لیے ایک دھچکا ثابت ہوا ہے جو میناروں پر پابندی کی مہم میں پیش پیش تھے۔ ڈینیئل سٹریچ کو اپنے ماضی کے رویے پر شرمندگی ہے اور اس نے سوئزرلینڈ میں یورپ کی خوب صورت ترین مسجد تعمیر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس وقت سوئزرلینڈ میں چار بڑی مساجد ہیں۔ ڈینیئل اسٹریچ پانچویں بڑی مسجد کی تعمیر کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ اسٹریچ کی اس مہم کے نتیجہ میں سوئس ریاست میں میناروں پر پابندی کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، لیکن سٹریچ اپنی سابقہ مہم کے ازالے کے لیے ایک اور مہم کے آغاز کا متمنی ہے، جس میں اپنے ماضی کے رویے کے بر عکس ریاست میں مذہبی رواداری اور برداشت کے فروغ کے لیے کام کرنے اور میناروں پر لگنے والے پابندی کو ختم کروانے کا خواہاں ہے۔

یہ اسلام کی عظیم معجزاتی خوبی ہے کہ جب اس کے بدترین دشمن بھی اسے قبول کر لیتے ہیں تو اس کے جاں نثار سپاہی بن جاتے ہیں۔ ماضی میں اسلام کے اس شدید مخالف اور کھلے دشمن نے قبولِ اسلام کے بعد اپنے آپ کو اسلام کا سپاہی قرار دیتے ہوئے اس کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کے عزم کا اعادہ کیا ہے۔

۹۷٪ فی صد مسلمان پرامن ہیں

سال ۲۰۰۹ء کے اخیر میں جارج ٹاؤن یونیورسٹی امریکہ نے دنیا کے پانچ سو بااثر مسلمانوں کا سروے کر کے The 500 most influential muslims 2009 in the world کے نام سے کتابی شکل میں ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ اس میں اسلامی دنیا کی بااثر شخصیات کے علاوہ اسلام سے متعلق کچھ اہم امور بھی زیر بحث آئے ہیں۔ چناں چہ اس سروے رپورٹ میں اسلام کے حوالے سے "دہشت گردی" کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

رپورٹ کے مرتبین اعداد و شمار کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عالم اسلام میں ستانوے فی صد مسلمان امن پسند اور صرف تین فی صد بنیاد پرست ہیں، جس کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے: traditional Islam (روایتی اسلام کے پیروکار) چھیانوے فی صد، Islamic Modernism (اسلامی جدیدیت) ایک فی صد اور Islamic Fundamentalism (اسلامی بنیاد پرست) تین فی صد۔

یہ رپورٹ مغربی مفکرین کی مرتب کردہ ہے۔ اس پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو دہشت گردی سے مبرا ہونے کا سرٹیفکیٹ خود ہی دے دیا ہے۔ مغربی مفکرین کی اس رپورٹ کی روشنی میں اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دنیا بھر کے تین فی صد مسلمان سخت گیر اور بنیاد پرست ہیں تو بھی ان کا دہشت گرد ہونا لازم نہیں آتا۔ حتی کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تین فی صد مسلمان ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو اہل مغرب کے نزدیک دہشت گردی کے زمرہ میں آتی ہیں تو ان کی یہ رپورٹ باقی ستانوے فی صد امتِ مسلمہ کے پر امن ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ اس کے باوجود بحیثیت مجموعی اسلام کے نام لیواؤں کو دہشت گرد قرار دینا اور دنیا بھر میں ان کے ساتھ دوہرا سلوک کرنا مغرب کی دوغلی پالیسی کا آئینہ دار ہے۔

رپورٹ ساز کمیٹی The Raoyal Islamic Strategic Studies Center کا یہ دوہرا پیمانہ ہے کہ ایک طرف اعتراف کر رہے ہیں کہ پوری دنیا میں ستانوے فی صد مسلمان امن پسند ہیں اور دوسری طرف تین فی صد مسلمانوں کے نظریے کو Islamic Fundamentalism کی اصطلاح سے تعبیر کر رہے ہیں، حالاں کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگر مغربی دانش وروں کی اس رائے کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ان نام نہاد تین فی صد دہشت گردوں کے علاوہ دنیا بھر میں جتنے بھی بنیاد پرست پائے جاتے ہیں اور انتہائی اگلے درجے کے دہشت گرد بھی ہیں، ان کا اسلام سے تو کوئی تعلق نہیں۔ پھر مغرب کو یہ انتہا پسند اور دہشت گرد کیوں نظر نہیں آتے؟

سروے رپورٹ میں صوفی اسلام کے تحت بتایا گیا ہے کہ ان کا تناسب ۹۰٪ فی صد ہے اور اسی تناظر میں دنیا کی کئی ایک ممتاز

شخصیات کو امن مشن کے داعی کے طور پر شمار کیا گیا ہے۔ اسلامی امن کے قیام کے سلسلے میں خانقاہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشیں پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور انھیں دنیا کی پہلی پچاس با اثر شخصیات میں شامل کیا گیا ہے۔ بلاشبہہ برصغیر میں تشدد پسند فرقوں کے مقابل آپ نے اسلام کے حقیقی امن مشن کی حمایت کی اور اس کے لیے موثر کردار ادا کیا۔

۲۰۰۹ء کی یہ سروے رپورٹ اسلام کی اس تعلیم کی تصدیق کرتی ہے کہ اسلام امن کا داعی اور تشدد کا سب سے بڑا مخالف مذہب ہے۔

برطانیہ میں اب تک پچاس ہزار خواتین اسلام قبول کر چکی ہیں

جہاں بلجیم اور فرانس جیسے ممالک کی حکومتیں مسلم خواتین کا تشخص مٹانے کی کوشش میں لگی ہیں اور برقعہ پر پابندی عائد کر کے خوش ہیں، وہیں ان دنوں برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کی خواتین میں اسلام قبول کرنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

ایجنسی کے مطابق برطانیہ میں اس رجحان میں کافی تیزی آئی ہے۔ ۲۰۰۱ء میں جو مردم شماری ہوئی تھی اس کے مطابق اسلام قبول کرنے والی برطانوی خواتین کی تعداد ۳۰/ ہزار سے تجاوز کر چکی تھی اور اب یہ تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ آگے نکل گئی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت برطانیہ میں چرچ کی ہفتہ وار مذہبی تقریب میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد گھٹ کر محض ۲/ فی صد رہ گئی ہے، اس کے برعکس سینٹرل لندن کی ریجنٹ پارک مسجد میں نماز میں شریک ہونے والوں کی دو تہائی تعداد مسلمان خواتین کی ہوتی ہے۔

حال ہی میں اسلام قبول کرنے والی ۵/ برطانوی خواتین میں سے ایک عقیلہ نے کہا کہ اسلام کے سائے میں آنے سے قبل مجھ کو لگتا تھا کہ مذہب ایک فرسودہ نظریہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن اب مجھ کو لگتا ہے کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور اس کو با مقصد طور سے جینا چاہیے۔ ایک اور نو مسلم خاتون کیتھرین ہیسلٹن کا بیان ہے کہ ابتدائی دنوں میں قرآن نے میری فہم و دانش کو متاثر کیا اس کے بعد میرے اور قرآن کے درمیان روحانی اور جذباتی رشتہ قائم ہو گیا۔ میں یہ پڑھ کر حیران تھی کہ قرآن نے ۱۵۰۰/ سال قبل عورت کو کیسے اہم حقوق دیے۔ سکینہ ڈگلس نام کی ایک افریقی نژاد برطانوی خاتون نے کہا کہ جب میں نے قرآن پڑھنے کے بعد پردہ کرنا شروع کیا تو مجھے بے انتہا مسرت حاصل ہوئی اور مجھے پہلی بار لگا کہ میں مردوں کی ہوس ناک نگاہوں کے سامنے سجا ہوا دستر خوان نہیں ایک باعزت خاتون ہوں۔

ایک اور برطانوی خاتون کیتھرین ہنٹلے نے کہا کہ مجھے بچپن سے روحانیت عزیز تھی، شراب ناپسند تھی اور میں لڑکوں سے بھی دور رہتی تھی، اس لیے میرے والدین مجھ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ جب میں نے اپنے کالج کے پہلے سال میں اسلام کو پڑھنا شروع کیا تو میرے دل کو ٹھنڈک سی ملنے لگی اور میں لنچ کے وقفہ میں اسلام کے بارے میں انٹرنیٹ پر پڑھنے لگی اور اس طرح مجھے راہِ مستقیم مل گئی۔

ماریشش میں عرس اعلیٰ حضرت و جشن عید میلاد النبی

سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل پورٹ لوئس ماریشش (افریقہ) مبلغ اسلام حضرت علامہ الحاج مفتی محمد ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ کا قائم کردہ ادارہ ہے جو تقریباً نصف صدی سے مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج میں مصروفِ عمل ہے۔ سوسائٹی کے معمولات میں بزرگوں کے اعراس، ہفتہ وار حلقۂ ذکر بالخصوص مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت ہے۔

حسب سابق امسال بھی جشن اعلیٰ حضرت و عید میلاد النبی بڑی شان و شوکت کے ساتھ منایا گیا جس میں ملک و بیرون ملک کے علمائے کرام اور شعرائے اسلام نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز سوسائٹی کے ڈائریکٹر حضرت حافظ و قاری محمد اظفر ایوب رضوی نے تلاوتِ قرآنِ حکیم سے کیا۔ بعد ازاں عبد الرحمن رضوی اور دیگر مداحانِ رسول نے نعت و منقبت کے نذرانے پیش کیے، پھر حضرت مولانا عبد الحمید رضوی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا فضل الرحمن مرادآبادی اور مولانا محمد اسحاق رضوی کے بیانات ہوئے۔ بھی مقررین نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضو ان کی عبقری شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ آخر میں صلاۃ و سلام اور مفتی محمد اسحاق رضوی کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ نظامت کے فرائض الحاج عبد الخالق رضوی نے انجام دیے۔

بعد نمازِ ظہر جشن نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا انعقاد ہوا جس میں ماریشش کے علاوہ پاکستان کے دو مشہور و معروف نعت خواں نے شرکت کی۔ پروگرام کا افتتاح حضرت حافظ قاری محمد اظفر ایوب رضوی نے تلاوتِ قرآنِ کریم سے کیا پھر ناظمِ اجلاس عبد الخالق رضوی نے فیصل نقش بندی کو دعوت دی، بعدِ ازاں ذوالفقار علی حسینی نے نہایت وجد آفریں اور مسحور کن انداز میں گلہائے نعت پیش کیے جس سے سامعین کے مشامِ جاں معطر ہو گئے۔ کیف و عرفان کا یہ سلسلہ نمازِ عصر تک جاری رہا، اخیر میں صلاۃ و سلام اور مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

از: محمد یوسف چیرو، ماریشش

خیر و خبر

توہین آمیز خاکوں کا سلسلہ بند کیا جائے

بین الاقوامی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امریکی خاتون کارٹونسٹ نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ "فیس بک" (Face Book) پر لوگوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کے خاکے بنانے کی دعوت دے کر نہایت گھناؤنی حرکت کی ہے۔

اس گستاخ خاتون نے اسلام مخالف گروہ اور شرپسند عناصر سے اپیل کی ہے کہ وہ ہر سال ۲۰ مئی کے دن (جو حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادتِ طیبہ کا دن ہے) گستاخانہ کارٹون اور توہین آمیز خاکے بنا کر فیس بک کو روانہ کریں، چناں چہ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مغرب کے بے اصول اور گستاخانہ ماحول میں زندگی گزارنے والے کچھ شرپسندوں نے ۲۰/ مئی کو گستاخانہ کارٹون بنانے کا دن منایا۔

امریکہ کی پشت پناہی میں مغرب کے اس افسوس ناک طرز عمل سے پوری مسلم دنیا میں نفرت و احتجاج اور غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ پاکستان میں فیس بک اور یوٹیوب سمیت ساڑھے چار سو ویب سائٹوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ ہندوستان کی مسلم برادری میں بھی اس مہم کے خلاف سخت اضطراب اور نفرت و بے زاری کا ماحول برپا ہے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ نے اس افسوس ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے ایک ہنگامی میٹنگ طلب کی۔ جس کی صدارت صدر تنظیم حضرت عزیز ملت نے فرمائی۔ خطبۂ صدارت میں آپ نے اس مجرمانہ اور شورش پسندانہ فعل کی مذمت کی اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ اس ویب سائٹ پر فوراً پابندی عائد کی جائے۔ اقوام متحدہ سمیت دیگر عالمی برادری سے مطالبہ کیا کہ امن عالم کو پارہ پارہ کر دینے والے، ایسی ذہنیت رکھنے والے ناپاک عناصر کو قرار واقعی سزا سنائی جائے تاکہ آئندہ کوئی شوریدہ سر اس قسم کی سنگین غلطی کرنے کی ہرگز جرأت نہ کر سکے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہا کہ "آج مغرب آزادیِ اظہار رائے کے نام پر بین الاقوامی اصول کی پامالی کر رہا ہے اور امریکہ اسے روغن فراہم کر رہا ہے۔ اقوام عالم کے کسی بھی مذہبی رہنما کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت نا قابل معافی جرم ہے، چہ جائے کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا گستاخانہ کارٹون بنایا جائے یا لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے۔ افسوس کا مقام ہے کہ جمہوریت کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والی ہماری حکومت نے مسلمانوں کے بار بار مطالبے کے باوجود اب تک اس ویب سائٹ پر پابندی عائد نہیں کی ہے۔ میں حکومت ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس ویب سائٹ کے خلاف سخت نوٹس لے اور اس پر پابندی عائد کرے اور امریکہ کو متنبہ کرے کہ وہ اپنی اسلام مخالف پالیسیوں سے باز آئے اور اپنے ملک کو اس طرح کے شورش پسند عناصر سے پاک کرے۔

اس موقع سے مولانا نعیم الدین عزیزی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا عبد الحق مصباحی، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا حبیب اختر مصباحی، ماسٹر مہتاب پیامی، مولانا ناصر حسین مصباحی اور مولانا اسلم مصباحی وغیرہ موجود تھے۔

از: محمد طفیل احمد مصباحی

دار العلوم شاہ ہمدان کشمیر میں یومِ حافظ ملت

یکم جمادی الآخرہ مطابق ۱۶/ اپریل کو دار العلوم شاہ ہمدان پانپور کشمیر کے شاہ ہمدان ہال میں جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کا عرس منایا گیا۔ جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ بعد نماز فجر قرآن خوانی اور ذکر و اذکار کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد تین گھنٹے تک مختصر سی تقریب میں حضور حافظ ملت کے ہر گوشۂ حیات سے سامعین کو محظوظ ہونے کا موقع فراہم کیا گیا۔ جشن کا آغاز حافظ محمد حسین کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعدہ نعت و منقبت کے اشعار پیش کیے گئے۔ اس کے بعد مولانا حافظ محمد تنویر عالم مصباحی نے حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے طریقۂ تدریس اور منہاجِ تبلیغ پر پُر مغز خطاب فرمایا۔ جاوید احمد مصباحی نے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی حیات طیبہ کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا۔ اختتام پر سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی کے طور پر دار العلوم شاہ ہمدان کے صدر المدرسین مفتی محمد رضا مصباحی کو دعوت دی گئی۔ حضرت نے اپنے خطاب میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی حیات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ فرمایا اور الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ صلاۃ و سلام اور فاتحہ خوانی پر جشن اختتام پذیر ہوا۔ حاضرین علما میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا محمد زین العابدین ثقافی اور مولانا محمد حبیب ثقافی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

از: محمد شہاب الدین حلیمی مصباحی، استاذ دار العلوم ہذا

پور بندر میں ایک شام حضور حافظ ملت کے نام

یکم جمادی الآخرہ ۱۶/ مئی ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء کو سرزمین گجرات کی مرکزی دانش گاہ دار العلوم غوث اعظم پور بندر میں بعد نماز عشا جلالۃ العلم حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی قدس سرہ کی یاد میں ایک شاندار جشن منایا گیا۔ اس تقریب کی صدارت دار العلوم کے صدر المدرسین فضیلۃ الشیخ مولانا انوار احمد خان بغدادی دام ظلہ العالی اور نقابت کے فرائض مولانا محمد عرفان رضا مصباحی بریلوی نے انجام دیے۔ ادارے کے استاذ مولانا عبد المعید ازہری نے حافظ ملت کے افکار اور کارناموں سے متعلق پر مغز اور فکر انگیز خطاب فرمایا۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ (اتراکھنڈ) کے سکریٹری مولانا محمد جابر خاں مصباحی بریلوی نے حضور حافظ ملت کی حیات وخدمات پر اجمال کی ساتھ روشنی ڈالی، انھوں نے کہا: حضور حافظ ملت قدس سرہ نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم فرماکے اہل سنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا، یقیناً اس سے اہل سنت کا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے۔ اخیر میں انھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں فرزندان اشرفیہ کے کارناموں کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ انھوں نے کہا: فقہ اسلامی کے عظیم انسائیکلوپیڈیا فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت میں جامعہ اشرفیہ کے وفا کیشوں علامہ عبد الرؤف علیہ الرحمہ، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کی مساعی جمیلہ کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

آخر میں مولانا بغدادی صاحب نے خطبہ صدارت پیش کیا، مولانا موصوف نے حافظ ملت کی ذات پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی، انھوں نے کہا: حافظ ملت سراپا خلوص و تقویٰ تھے۔ امت مسلمہ کے لیے آپ کا عمل و کردار آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے پھر آپ نے اہل مبارک پور کی قربانیوں کو سراہتے ہوئے اہل پوربندر کو دارالعلوم کے تعاون کی تلقین کی۔

۱۱ر بج کر ۵۵ر منٹ پر قل شریف اور فاتحہ خوانی ہوئی۔ اخیر میں قاری محمد رضوان رضوی کی پر تاثیر اور رقت آمیز دعاؤں پر پروگرام بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ اس مبارک موقع پر معزز اساتذہ میں مولانا ڈاکٹر محمد ارشد علیمی (علیگ) مولانا علی محمد علیمی اور قاری محمد معظم عزیزی صاحبان اور شہر کے بہت سے عاشقان حافظ ملت بھی موجود تھے،

از: محمد صابر خاں قادری رکن تنظیم ابنائے اشرفیہ یو ایس نگر (نینی تال)۔

حافظ ملت کی بارگاہ میں نذر عقیدت

یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۱ھ قادریہ مسجد توروی ہکل شہر ہبلی میں چمن امجدی کے زیر اہتمام جلالۃ العلم حضور حافظ ملت محدث مراد آبادی نور اللہ مرقدہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ کا عرس پورے اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ صبح ۸ر بجے قرآن خوانی، پنج آیت، درود پاک، سلام اور شجرہ طیبہ سے ایصال ثواب کی تقریب شروع کی گئی۔ شب میں باضابطہ عرس عزیزی کا آغاز ہوا۔ نعت و منقبت خوانی کے بعد رئیس احمد عزیزی مصباحی نے خطاب کیا۔ ۱۱ر بج کر ۵۵ر منٹ پر صلاۃ وسلام کے ساتھ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

از: رئیس احمد عزیزی مصباحی، ہبلی

سنی دار العلوم محمدیہ میں عرس حافظ ملت

۱۶ر مئی ۲۰۱۰ء کو سنی دار العلوم محمدیہ بینارہ مسجد محمد علی روڈ ممبئی میں جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ توکل حسین حشمتی مصباحی کی صدارت اور اساتذۂ سنی دار العلوم محمدیہ کی موجودگی میں استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی یاد میں صبح ساڑھے دس بجے قرآن خوانی ہوئی بعدہ عظیم الشان پروگرام کا انعقاد تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ حضور حافظ ملت کی شان میں طلبہ نے منقبت پیش کی۔

صدر مجلس مولانا توکل حسین نے اپنے بیان میں فرمایا کہ بہت سارے علما اور مدرسین قدیم سے میری ملاقاتیں ہیں اور تقریباً میں نے سبھی سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن شانِ عزیزی میں نے کسی میں نہیں پائی۔ آپ کی تفہیم میں تلقین غزالی تھی، منقولات میں تفسیر جلالین انھیں سے پڑھی ہے۔ ولھم فیھا ازواج مطھرۃ کی تفسیر میں حضرت نے تقریر فرمائی، ایک مرد کو ستر ستر حورانِ جنت ہوں گی۔ میں نے عرض کیا۔ کیا حورانِ جنت سے جنتی مردوں کے لوازم زوجیت بھی ہوں گے، آپ نے فرمایا پھر کیا حورانِ جنت صرف تسبیح پڑھنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ مولانا موصوف نے حضور حافظ ملت کے کارنامے بیان کرتے ہوئے جب نوازشات کے بیان پر آئے تو رو پڑے، آگے کچھ بول نہ سکے۔ درود و سلام کے بعد مولانا غلام معصوم اکبر صاحب کی دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ مولانا ریاض احمد قادری مولانا جان محمد برکاتی، مولانا احسان احمد قادری، مولانا محمد شرف الدین مصباحی، مولانا نور الہدیٰ نے شرکت فرمائی۔

از: محمد شرف الدین مصباحی، ممبئی

سنی نئی مسجد گھڑپ دیو میں عرس حافظ ملت

۱۶ر مئی ۲۰۱۰ء کو بعد نماز عشا سنی نئی مسجد گھڑپ دیو ممبئی میں گزشتہ سال کی طرح امسال بھی عرس حضور حافظ ملت منایا گیا۔ تلاوتِ قرآنِ حکیم سے پروگرام کا آغاز ہوا، نعت و منقبت کے بعد مولانا محمد شرف الدین مصباحی حضور حافظ ملت کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا: حافظ ملت، ملت کے محافظ تھے، حافظ ملت کا سنیت پر بڑا احسان ہے کیوں کہ آپ نے سنیت کی بقا و تحفظ کے لیے ایک مرکزی دینی درس گاہ قائم فرمائی اور اس کے ذریعہ ہزاروں تشنگانِ علومِ نبویہ کو سیراب فرماکر دین کی خدمت کے لیے ملک و بیرون ملک روانہ فرمایا۔ نیز حافظ ملت کے شاگرد پوری دنیا میں دین کا کام کر رہے ہیں اور حضور حافظ ملت کا فرمان ہے زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔ حضور حافظ ملت نے اپنے قول پر عمل کر کے بتایا۔ حافظ ملت نے بغیر فوٹو کے حج فرمایا، موصوف نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ملت کی یہ سب سے بڑی کرامت ہے، عرس حافظ ملت میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت فرمائی۔ قل شریف کے بعد مولانا محمد شرف الدین مصباحی نے شجرۂ عالیہ قادریہ پڑھا اور درود و سلام پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

از: دفتر الجامعۃ الاشرفیہ، گھڑپ دیو ممبئی

R.N.I. No: 29292/76 Regd. No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276 404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax : 251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E-mail:info@aljamiatulashrafia.org July 2010

الجامعۃ الاشرفیہ مُبارکپُور

شیخ طریقت جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء میں مبارک پور تشریف لائے اور ایک مکتب کو ترقی دے کر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۵ء میں دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کا سنگ بنیاد رکھا، اور ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کا منصوبہ زمین پر اتار دیا۔ حضور حافظ ملت کی فکر بلند، جہد مسلسل اور اخلاص و للّٰہیت نے جامعہ کو فکر و دانش کی عالمگیر تحریک بنادیا۔ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں حضور حافظ ملت کا وصال ہوا۔ اور ۳/جون ۱۹۷۶ء کو جانشین حافظ ملت پیر طریقت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب ہوئے اور اس کے بعد سے آج تک ان کی قیادت و سربراہی میں جامعہ اشرفیہ کا ہر قدم ہمہ جہت ترقیوں کی جانب بڑھ رہا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو تمام مشائخ اہل سنت نے بنظر تحسین دیکھا اور اس کے منارۂ عظمت کو ہم دوش ثریا ہونے کے لے دعائیں فرمائیں۔ لیکن جن بزرگوں نے بطور خاص اپنے اپنے عہد میں اس کی سرپرستی فرمائی اور اس کی تعمیر و ترقی کی ہر ممکن کوشش فرمائی ان اساطین اہل سنت کے مبارک نام اس طرح ہیں۔

(۱) قطب ربانی سیدنا شیخ حضرت علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (۲) فقیہ اعظم صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی (۳) تاجدار اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا بریلوی (۴) قائد اعظم ہند حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی (۵) مرشد اعظم ہند حضرت احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی۔

الجامعۃ الاشرفیہ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے فکری خطوط پر کام کا آغاز کیا اور اپنی آفاقی اور ہمہ گیر خدمات کی وجہ سے فکر رضا کا پیش رو نمائندہ اور سب سے عظیم ترجمان بن گیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ نے تدریس و تصنیف، دعوت و تبلیغ، صحافت و قیادت، ارشاد و افتاء وغیرہ میدانوں کے قابل افتخار افراد پیدا کئے آج جہاں اہل سنت میں اکثر مشاہیر اسی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین نے ملک و بیرون ملک انگلینڈ، ہالینڈ، امریکہ، ممالک افریقہ، پاکستان، نیپال، ممالک عرب وغیرہ میں سیکڑوں مدارس، دعوتی مراکز، تصنیفی اور تنظیمی ادارے قائم کئے۔ الجامعۃ الاشرفیہ قدیم و جدید علوم و فنون کا مرکز ہے، اشاعت حق اور فروغ سنیت اس کا نشانہ ہے، اس کے قریب دو درجن شعبے اپنے اپنے دائرہ عمل میں ہمہ دم متحرک و فعال ہیں۔ ماہنامہ اشرفیہ اس کا عالمی ترجمان ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے بہت سے منصوبے ابھی زیر تکمیل ہیں اور بہت سے مرحلۂ آب و گل میں آنے کے لئے منتظر ہیں۔ جو کچھ ہوا وہ بھی اہل خیر حضرات کے نوازشات سے ہوا۔ ہمیں آج بھی آپ کی مخلصانہ تعاون کا یقین ہے۔ رب کریم آپ کو توفیق خیر سے نوازے اور دارین کے سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

نوٹ: چک اور ڈرافٹ کے لئے یاد رکھیں۔ اپنی رقوم { بمد تعمیر بنام الجامعۃ الاشرفیہ Al-Jamiatul Ashrafia / بمد تعلیم بنام مدرسہ اشرفیہ Madrasa Ashrafia } ارسال کریں

رابطے کا پتہ: ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۴۰۴

Phone: 05462-250149, 250092, 250148 Fax : 251448

htt://www.aljamiatulashrafia.org

E-mail: aljamiatul_ashrafia@rediffmail.com